



مَلِكِ مَكَّةَ وَيُؤْتِي السَّلَامَ  
لِلْمُحْسِنِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ  
رَبِّ الْعَالَمِينَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب .....

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

### ☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

[kitabosunnat@gmail.com](mailto:kitabosunnat@gmail.com)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



ہیہ بارگاہِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

# فِتْنَةُ انْكَارِ حَدِيثِ

علامہ مولوی حافظ محمد ایوب صاحب دہلوی  
کے

بصیرت افروز روح پرور مقالات

اِدَارَةُ تَحْقِيقِ حَقِّ  
نے

۵۷ گارڈن روڈ، نزد جہانگیر پارک، صدر کراچی سے شائع کیا

اکتوبر ۱۹۵۶ء

بنائیت

بریس ۱۳۷۷ھ



## فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۰	تعارف	۱
۶	وقوع کی کتنی صورتیں ہیں اور کون کونسا کتاب الہی کے علاوہ بھی وہی ہو سکتی ہے ؟	۲
۲۷	حدیث رسول فی اہلبیت میں جنت ہے یا نہیں ؟	۳
۵۴	حدیث کا جو معتبر مجموعہ ہمارے پاس ہے وہ افہمی ہے یا عظمیٰ ؟	۴
۵۴	عقلمند شیعہ اہل جنت ہے یا نہیں ؟	۵
۶۱	احوال شریعیہ کی سہولتیں	۶
۶۹	احادیث مسند و جہاں میں آیا نہیں ؟	۷
۸۱	منکرین احادیث کے جوہر	۸
۶۹	منکر حدیث کے ترجمے کی کتابی	۹
۱۰۵	رسالہ صواعق اسلام ہون ۱۹۵۷ء کے باب المرسلات کے جوابات	۱۰

—————

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# تعارف

فتنہ انکارِ حدیث دوہرہ حاضہ۔ کے فتنوں میں سے ایک  
 بڑا فتنہ ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ اس کا موقف علمی  
 زیادہ مستحکم و مضبوط ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ اپنے  
 مقصد کے اعتبار سے یہ فتنہ دہرینت اور کیونزیم کا ہم آہنگ  
 ہے۔ اس کا مقصد بہرہ دین کو ناکار کرنے کے اور کچھ نہیں ہے۔  
 دہرینت عقلِ انسانی کو دین پر غالب کرتی ہے اور کیونزیم  
 احتیاجِ بشری کو۔ منکرینِ حدیث جن کو کتابِ آسمانی کے  
 انکار کی توجیہات نہیں ہوتی لیکن انھوں نے کتابِ اللہ کو  
 اس کے مجال کی تفسیر اور تشریح سے محروم کر کے اسے  
 بے اثر بنانے کا مذہب منسوب تیار کیا اور حق تعالیٰ نے اپنے  
 بندوں کی ہدایت کا جو ممکن سامان کیا تھا اس کو درہم بہم  
 لانا چاہا۔ حق تعالیٰ نے صرف کتابِ آزل کرنے پر اکتفا

نہیں فرمایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان اوصاف کے ساتھ مبعوث فرمایا :

”هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رَسُولًا مِنْهُمْ  
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ  
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“ (پڑھو۔ قد سمع اللہ۔ الجہا)

تاکہ وہ تدریجی طور پر حسب ضرورت کتاب کی ایک ایک آیت کی توضیح و تشریح و نیز عملی تفسیر امت کے سامنے پیش فرمائیں اور اس کی صحیح ترتیب متعین فرمائیں اور جن مسائل کا کتاب میں اجمالی ذکر ہے یا کوئی جزوی بات بیان نہیں کی گئی اس کی تفصیل و تشریح فرمادیں۔ اور جزئیات کو بیان فرما کر تکمیل دین کا فریضہ انجام دیں۔ منکرین حدیث (جن کا مرکز ادارہ طلوع اسلام کراچی ہے) اس گمراہی میں مبتلا ہیں یا دوسروں کو یہ کہہ کر گمراہ کرنا چاہتے ہیں کہ واجب الاتباع محض وحی الہی ہے اور وحی صرف کتاب اللہ میں منحصر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آپ کی زندگی تک محض ”مرکز ملت“ ہونے کی وجہ سے تھی آج ”مرکز ملت“ کی عدم موجودگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پابندی غیر ضروری ہے۔ ان کا قول یہ بھی ہے کہ :-



”اطاعت صرف خدا کی ہو سکتی ہے کسی انسان کی نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کر سکتا قرآن رسول کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ کسی شے کو حرام قرار دیدے“

حالا مکہ قرآن شریف میں جا بجا ”أَطِيعُوا اللَّهَ“ کے ساتھ ”أَطِيعُوا الرَّسُولَ“ کا حکم فرمایا گیا ہے اور ایک جگہ تو یہ ارشاد فرما دیا گیا ہے :

”مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ“

بس نے رسول کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

منکرینِ حدیث کا یہ مغالطہ نہایت شدید اور انتہائی گمراہی کا باعث ہے۔ خصوصاً جب کہ یہ مغالطہ قرآن فہمی کے۔ عوی کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ صحیح عقیدہ وہ ہے جس

کی ترجمانی علامہ اقبال نے کی ہے ۵

بمصطفیٰ برسوں خویش را کہ دیں ہمہ دست

اگر یہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

ضرورت ہے کہ اس حقیقت کو اہل علم اور عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کیا جائے۔ تاکہ وہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں اصل حقیقت کو سمجھنے کے لئے اور بنیادی باتیں بطور سوالات رکھ کر ہمیں اس پر خالص علمی انداز میں بحث کرنی چاہیے۔

وہ بنیادی سوالات حسب ذیل ہو سکتے ہیں :-

۱۔ وحی کی کتنی صورتیں ہیں۔ اور کیا کتاب الہی کے علاوہ بھی وحی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

۲۔ حدیث رسول فی نفسہ دین میں محبت ہے یا نہیں ؟

۳۔ احادیث رسول کا جو مستبر مجہومہ ہمارے پاس ہے وہ یقینی ہے یا ظنی ؟

۴۔ ظن شرعی محبت ہے یا نہیں ؟

۵۔ احادیث مسلمہ واجب العمل ہیں یا نہیں ؟

۶۔ منکرین احادیث کے جوابات ۔

۷۔ منکرین احادیث کے ترجمہ کی غلطی ۔

۸۔ طلوع اسلام (جون ۱۹۵۶ء) کے باب المراسلات کے جوابات

ان سوالات پر حضرت العلامة محمد ایوب صاحب مظاہر العالی

نے قرآنی دلائل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

امید ہے کہ حضرت علامہ کے جواب سے ہر طالب حق کی تشفی ہو جائے گی اور بے شمار حضرات کا تذبذب اور شکوک و شبہات رفع ہو جائیں گے۔

حضرت علامہ نے بدلائل عقلی و نقلی ثابت کیا ہے کہ ظن عقلاً اور شرعاً دونوں طرح حجت ہے اور موجب عمل ہے۔ گو موجب ایمان نہیں۔ کیونکہ موجب ایمان تو یقین ہی ہے۔ اس لئے اصول یہ ٹھہرا کہ ظن پر عمل ہوگا۔ اور یقین پر ایمان کا دار و مدار ہے۔ حجت ظن کے سلسلہ میں بیشمار مغالطے شرعی اور منطقی اصطلاحات کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے حضرت علامہ نے ظن اور یقین اور متعلقہ اصطلاحات کی وضاحت فرمادی ہے تاکہ ان کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہو جائے۔ اسی احتیاط کے پیش نظر یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ ایک ظن تو یقین کا مقابل ہے جو علم کی ایک قسم ہے۔ مثلاً ظنی علم جو مقابل ہے یقینی علم کا۔ دوسرا ظن علم کی ایک قسم ہے جس کی دو قسمیں ہیں ایک سو ظن اور دوسرا حسن ظن۔ سو ظن سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کو فرمایا ہے۔ اور حسن ظن پر عمل

کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس نطن کو حضرت علامہ نے ہمت قرار دیا ہے وہ نطن وہ ہے جو یقین کا مقابل ہے۔ اور قسم علم ہے حُن نطن اور سو نطن پر بحث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا کا طرز بیان خاص علمی اور تحقیقی ہے اس میں دور جدید کی انشاء پر دازی اور الفاظ کی سحر کاری نہ ملے گی۔ لیکن جو یندگان حق کو ہدایت کی روشنی اور حقیقت کا نور ضرور نظر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم عطا فرمائے اور سوائس  
الْحَنَائِسِ كَ الشَّرِّ مَحْفُوظٌ رَكَّهٖ . آمین

ادامع

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ۱۔ وحی کی کتنی صورتیں ہیں

اور کیا کتاب الہی کے علاوہ بھی وحی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

سوال۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف کے علاوہ بھی وحی کی جاتی تھی یا وحی صرف کتاب اللہ میں منحصر ہے۔ کیا ہر وہ نبی جس پر کتاب نازل ہوئی علاوہ کتاب کے اس پر وحی نازل کی گئی یا نہیں؟

جواب۔ ہر نبی پر وحی آئی اور ہر نبی صاحب کتاب پر علاوہ کتاب کے بھی وحی آئی۔ بالخصوص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر علاوہ قرآن شریف کے بارہا بکثرت وحی آئی۔

ثبوت۔ اس بات کا ثبوت کہ وحی کتاب کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ کتاب کے علاوہ بھی ہر صاحب کتاب نبی

پروچی آتی رہی یہ ہے کہ :-  
 ہر نبی صاحب کتاب نہیں ہے مگر صاحب وحی ہے  
 یعنی نبی وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا اور کتاب کے بغیر نبی  
 ہو سکتا ہے۔ اب اگر وحی کتاب کے ساتھ مختص ہوگی تو  
 ہر نبی کو صاحب کتاب ہونا چاہیے۔ حالانکہ اس بات پر  
 اجماع ہے کہ ہر نبی صاحب کتاب نہیں ہے اور صاحب  
 وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ  
 يُوحىٰ لىٰ" (عن اظہر حقا۔ السجدة) کہہ دے کہ میں تمہارے  
 جیسا آدمی ہوں۔ یعنی بشریت میں تم جیسا ہوں۔ فرق یہ ہے  
 کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ نبی غیر نبی سے صرف وحی میں  
 ممتاز ہے۔ بغیر وحی کے نبی ہو ہی نہیں سکتا۔ وحی کیا چیز  
 ہے؟ اللہ کا بشر سے کلام کرنا وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے  
 فرمایا: "مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا  
 أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآذَانِهِ  
 مَا يَشَاءُ" (البقرہ - الزخرف) یعنی اللہ تعالیٰ بشر سے صرف  
 تین طریقوں سے کلام کرتا ہے: (۱) وحی سے (۲) پردہ

کے پیچھے سے (۳) یا ایک رسول (فرشتہ) کو بھیجتا ہے۔ وہ اس کی اجازت سے اس کی مشیت کے موافق اس انسان پر وحی کر دیتا ہے۔ یہ تین طریقے ہیں وحی کے۔ اور تینوں وحی ہیں "إِلَّا وَحْيًا" میں وحی صاف ہے۔ "مِنْ دَرَاءٍ حِجَابٍ" جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔ یہ بھی وحی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا "وَ أَنَا أَخْتَرْتُكَ قَاسْتَمِعُ لِمَا يُوحَىٰ" (قال اللہ۔ ظہ) میں نے تجھ کو پسند کر لیا تو سن جو وحی کی جا رہی ہے۔

حضرت موسیٰؑ سے جو کلام کیا اس کو اللہ نے وحی سے تعبیر کیا۔ "أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ" میں وحی موجود ہے۔ الفرض اللہ تعالیٰ کا بشر سے کلام کرنا وحی سے اور جس پر وحی ہو وہ نبی ہے۔ کیونکہ فرق نبی اور غیر نبی، صرف وحی ہے اب ہم کو یہ سمجھانا ہے کہ قرآن شریف جبریلؑ روح الامین لے کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قَوْلًا بِهِ نُنزِّلُ الْآيَاتِ" قرآن کو روح الامین لے کر آئے ہیں۔ "فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ" جبریل نے تیرے دل پر قرآن اتارا۔ اس سے صاف واضح ہو گیا کہ "يُرْسِلَ رَسُولًا" میں وحی کی طرف اشارہ ہے وہ

قرآن مجید ہے۔ وہ رسول اور فرشتہ جو بہ اذن الہی وحی کرتا ہے وہ صرف قرآن ہے اور واضح ہو گیا کہ وحی کا انحصار قرآن ہی میں نہیں ہے۔ بلکہ قرآن سے علاحدہ دو وحیاں اور ہیں جن کی طرف ”الْاَوْحٰیَّاتِ“ اور ”اَوْمِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ“ میں اشارہ ہے خلاصہ یہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے وحی کی تین قسمیں بتائیں اور قرآن شریف تیسری قسم یعنی ”اَوْیُسِّلَ رَسُوْلًا“ میں شامل ہے۔ ”اِلَّا وَحٰیَّاتٍ“ اور ”اَوْمِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ“ یہ دونوں قرآن کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ قرآن کو روح الامین (جن کو آیت میں رسول سے تعبیر فرمایا ہے) نے لے کر آئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ وحی کا انحصار صرف قرآن شریف میں نہیں ہے بلکہ وحی علاوہ قرآن شریف کے ان دو طریقوں پر (یعنی ”اِلَّا وَحٰیَّاتٍ“ اور ”اَوْمِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ“) بھی ہوتی ہے۔ اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ انبیاء سابقین پر وحی جبری اور وہ وحی کتاب نہیں تھی :

حضرت آدم سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا: قُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (العن - البقرة) اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ ”يَا آدَمُ اَنْبِئْهُمْ“ اے آدم ان کو یعنی فرشتوں کو ان اشیا کے نام بتائے۔ ”وَنَادَا حَمَارٌ بَيْنَهُمَا اَلَمْ اَنْهَكُمَا“ (ولعنا - الاعراف)



ان کے سب نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا۔  
 اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے بار بار کلام کیا اور یہ کلام کتاب نہ تھا۔  
 حضرت نوحؑ پر وحی کی: ”وَأَوْحَىٰ رَأَىٰ نُوحًا أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ  
 مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ“ (دعواتِ مہذبہ - جلد ۱) نوح کی طرف  
 وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے اب کوئی اور ایمان نہیں لائے گا۔  
 جو ایمان لانے والے تھے وہ لاپکے۔ ”وَإِذَا سَأَوْتِ أُنْتِ  
 وَ مَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِكِ“ جب تو اور حیرے ساتھی کشتی پر  
 سوار ہو جائیں۔ ”يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ“ (دعواتِ مہذبہ - جلد ۱)  
 لے نوح وہ (یعنی تیرا بیٹا) تیرے اہل میں سے ہے ہی نہیں۔

الغرض متعدد کلام حضرت نوحؑ سے ہوئے یہ سب وحی  
 تھے اور کتاب نہ تھے۔ کیونکہ بابوسی کے وقت ڈوبنے کے وقت  
 اور نجات پانے کے وقت کتاب کی ضرورت نہیں تھی۔ کتاب کا  
 نزول بشارت اور انذار اور رفعِ اختلاف کے لئے ہوتا ہے  
 وہ اس وقت مقصود نہ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ پر وحی ہوئی :

”يَا إِبْرَاهِيمُ أَخْرِضْ عَنْ هَذَا“ (دعواتِ مہذبہ - جلد ۱) ابراہیمؑ  
 چھوڑ بھی اس خیال کو۔ یہ وحی تھی اور کتاب نہ تھی۔ ”تِلْكَ نَجَاتُنَا  
 آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ“ (دعواتِ مہذبہ - جلد ۱) حضرت ابراہیمؑ

کو ان کی قوم کے مقابلہ کے لئے یہ حجت ہم نے دی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے کو اکب اور شمس و قمر کے غروب اور فائز ہونے سے ان کے مدوٹ پر استدلال کیا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا لیا اور کہا کہ یہ حجت ہم نے ابراہیمؑ کو سکھائی تھی۔ یہ وحی تو تھی مگر کتاب نہ تھی۔ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا ”رَاقِي كَلَامِ جِدِّ رَيْحِي وَيُؤْتِي سَفَاكًا لَهَا اِبْرَاهِيمُ“ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ حاضرین نے کہا آپ تو وہی پُجانے خیالات میں ہیں۔ پھر جس وقت آپ بیٹا ہو گئے تو فرمایا:

”رَاقِي اَنْعَا حُرِّمِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ“ مجھے اللہ کی طرف سے

وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جو تمہیں معلوم نہیں ہوتیں۔ بس یہی وحی ہے مگر کتاب نہیں ہے۔ کتاب ہوتی۔ بیٹوں کو اور تمام حاضرین کو معلوم ہو جاتی۔ اس کی تو تبلیغ فرض تھی۔ حضرت یوسف پر وحی ہوئی۔ ”وَ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِ كَتَبْنَا بِكُمْ بِاَمْرِ هِمَّ هَذَا“

ہم نے یوسف کو وحی کی کہ تو ان کی اس غلطی پر ان کو مستنبہ کر چکا۔ چنانچہ انہوں نے ان کو مستنبہ کیا۔ ”هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْنَا بِيُوسُفَ وَ اٰخِيهِ“ (وہا ابراہیم۔ یوسف) تمہیں کچھ پتہ ہے کہ یوسف اور اس کے

بھائی کے ساتھ تم نے کیسا (بڑا) برتاؤ کیا تھا۔ بہر حال یہ وحی کنوں میں ڈالتے وقت ہوئی تھی اور یہ وحی کتاب نہ تھی۔

حضرت موسیٰؑ کو طور پر وحی ہوئی۔ ”يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ“ (القصص۔ القصص)  
 لے موسیٰ میں ہی معبود ہوں۔ یہ وحی تھی کیونکہ فرمایا ”فَأَسْتَعِمْ لَهَا يُوْحَىٰ“  
 سُن جو وحی (تیری طرف) اکی جا رہی ہے۔ بہر حال طور کا کلام وحی  
 ہے مگر کتاب نہیں۔ ”وَ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ“  
 (آل عمران۔ الامران) ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ اپنا عصا پھینک دے۔ یہ  
 وحی ہے اور کتاب نہیں ہے۔ کیونکہ توریت ان وحیوں کے  
 بہت عرصہ بعد نازل کی گئی تھی۔ ”وَ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ  
 أَسْرِ بِعَبَادِنَا“ (قال الذییرہ الشرا) ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ میرے  
 بندوں کو راتوں رات لے جا۔ یہ وحی ہے اور کتاب نہیں ہے  
 الفرض متعدد وحیاں ان حضرات کو ہوئیں اور یہ وحیاں کتابیں  
 نہ تھیں۔ حضرت لوط سے ملائکہ نے کہا۔ ”يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ  
 رَبِّكَ“ لے لوط ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ وحی تھی  
 کتاب نہ تھی۔ کیونکہ عذاب کے وقت کتاب کیسی؟ عذاب کے وقت  
 کتاب بنے سود چیز ہے۔ بنی اسرائیل کے نبی نے کہا کہ اللہ نے  
 طاوت کو تمہارا ہادشاہ مقرر کیا ہے۔ ”وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ  
 إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا“ (سبئ۔ البقرة)  
 یہ وحی ہے کتاب نہیں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر وحی ہوئی:

”كَفَلْتُمْنَا هَا سُلَيْمَانَ“ ہم نے اس فیصلہ کو سلیمان کو سمجھا دیا۔ یہ وحی تھی کتاب نہ تھی۔ کتاب ہوتی تو حضرت داؤد اے جلتے۔ حضرت زکریا پر وحی ہوئی۔ ”يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ“ لے زکریا ہم تجھے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں! ”فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي“ فرشتوں نے ان کو آواز دی جس وقت وہ نماز پڑھنے محراب میں کھڑے ہوئے تھے۔ ”إِنَّا اللَّهُ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَى“ کہ اللہ تجھے یحییٰ کی بشارت دیتا ہے تو یہ وحی تھی کتاب نہ تھی۔ اگر کتاب میں یہ مضمون ہوتا تو نہ دعا مانگتے نہ تعب کرتے۔ حضرت عیسیٰ پر وحی آئی۔ ”قَالَ اللَّهُ إِنِّي مَرْسَلْنَا عَلَيْكَ“ اللہ نے کہا میں تمہارے اوپر خوان اتاروں گا۔ یہ وحی تھی کتاب نہ تھی کیونکہ اگر یہ کتاب ہوتی تو نہ حواری مطالبہ کرتے نہ ضد و بحث ہوتی۔ یعنی کتاب میں یہ مضمون ہوتا کہ اللہ خوان اتار سکتا ہے اور اتارے گا تو اس صورت میں مطالبہ ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ انجیل توریت وغیرہ سب دفعہ نازل ہو چکی تھیں۔ الغرض جو نبی صاحب کتاب نہیں تھے ان پر تو صرف وحی ہی مسمیٰ نازل ہوئی اور جو صاحب کتاب تھے ان پر کتاب سے پہلے اور کتاب کے بعد برابر وحی ہوتی رہی اور قرآن شریف میں بکثرت یہ

وحیاں مذکور ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی بشر سے کلام کرنا ہی وحی ہے۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ اور کتاب اس کی ایک قسم ”اَوْیْرِسِلَ رَسُوْلًا“ میں مشتمل ہے۔ وحی عین کتاب نہیں ہے۔ وحی کبھی کتاب ہوگی کبھی ”مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ“ ہوگی کبھی خالص وحی ہوگی۔

اب خاص طور سے اتے سمجھئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی علاوہ قرآن شریف کے بھی آتی تھی۔

پہلی دلیل: ”وَإِذَا سَرَ الذَّنْبُ إِلَى بَعْضِ أَرْوَاحِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَتْهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ“

جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے چپکے سے ایک حدیث بیان کی پھر اس بیوی نے اس کو کسی دوسری سے کہہ دیا اور اللہ نے نبی پر اس واقعہ کو ظاہر کر دیا (یعنی اللہ نے نبی پر یہ ظاہر کر دیا کہ تیری بیوی نے اس بات کو دوسری بیوی پر ظاہر کر دیا ہے) تو نبی نے اس بیوی سے کچھ حصہ بیان کیا اور کچھ نہیں بیان کیا۔ جب نبی نے بیوی کو اس واقعہ کی خبر دی تو بیوی نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر کر دی۔ تو نبی نے کہا کہ مجھے علیم و خیر نے خبر دی ہے۔ اللہ نے

نبی پر یہ واقعہ ظاہر کیا ”أَطْلَقَ اللَّهُ“ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ نے اس کا اظہار جو نبی پر کیا ہے یہ وحی تھی اور نبی نے جو یہ کہا کہ علیم وخبیر نے خبر دی۔ یہ وحی تھی۔ اس آیت کے دونوں ٹکڑے وحی غیر قرآن پر دلالت کر رہے ہیں کیونکہ اللہ نے نبی پر جو اس واقعہ کو ظاہر کیا یہ قرآن میں کہیں مذکور نہیں ہے اور نبی نے جو یہ کہا کہ نبھے علیم وخبیر نے خبر دی ہے تو علیم وخبیر کا یہ خبر دینا کہیں قرآن میں مذکور نہیں ہے۔ اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ قرآن کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ہوئی۔ دوسری دلیل۔ ”مَا نَقَطَعُهُ مِنْ لَيْلَةٍ ذَوَاتِ كَتْمٍ وَهَاتِ قَائِمَةً عَلَى أَمْوَالِهِمَا فَبِذَلِكَ“ کھجور کے درخت جو تم نے کاٹ دئے یا ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیئے تو یہ (جو کچھ تم نے کیا ہے) اللہ کی اجازت سے کیا ہے۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے علاوہ وحی ہوئی۔ کیونکہ جس حکم کے ذریعہ ان درختوں کو کاٹا گیا وہ حکم قرآن شریف میں کہیں نہ تھا۔

خلاصہ یہ کہ اذن الہی کس جگہ ہے۔ قرآن میں ہے یا قرآن سے اہر ہے اگر قرآن میں ہے تو دکھاؤ کہاں ہے۔ ہرگز قرآن میں ان

دختروں کے کاٹنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن قرآن سے اجازت ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اجازت دوسری وحی سے ہے جو علاوہ قرآن شریف کے ہوئی۔

تیسری دلیل۔ سورہ بقرہ آل عمران وغیرہ یہ سب سورتیں مدنی ہیں جو تقریباً دس سال بعد نازل ہوئی ہیں۔ تو جس طرح یہ نازل ہوئی تھیں اسی طرح ان کو کیوں ترتیب نہیں دیا گیا۔ جو سورہ پہلے نازل ہوئی وہ پہلے لکھی جاتی۔ جو پیچھے نازل ہوئی وہ پیچھے لکھی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا۔ بلکہ پہلے نازل شدہ سورتیں پیچھے لکھی گئیں اور پیچھے والی پہلے لکھی گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "قَالَ الَّذِينَ لَا يُرْجُونَ لِقَاءَنَا سَيُفْعَلُ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ يَدُلُّهُ قُلٌّ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدَّلَهُ مِنْ تِلْقَائِهِ لَفْسِي إِنْ اتَّبِعُوا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ" (يعقودون۔ یانس) جو لوگ ہماری طاقت کے آرزو مند نہ تھے وہ کہنے لگے کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لا۔ یا اس کو بدل دے۔ کہہ دے مجھ سے کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنی طرف سے بدل دوں میں تو صرف وحی کا پابند ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ تبدیلی بغیر وحی کے نہیں ہو سکتی۔ یہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیلی تدریجی ترتیب میں کی ہے یہ وحی

سے کی ہے اور یہ وحی قرآن میں مذکور نہیں ہے یعنی کہیں قرآن میں یہ نہیں ہے کہ اسے نبی یہ سورۃ یہاں لکھو اور یہ وہاں۔ لہذا قرآن کے علاوہ وحی ہوئی۔

چوتھی دلیل۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ قَابِلًا بِكُمْ مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ" (قال فما الجنا) یہ صرف اسماء ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں اللہ کی منظوری کے بغیر۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ کی منظوری کے بغیر نام رکھنا ناجائز ہے۔ لہذا جو سورتوں کے نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھے ہیں۔ سورۃ بقرہ۔ سورۃ آل عمران وغیرہ یہ قطعی اللہ کی منظوری سے رکھے ہیں۔ اور یہ منظوری قرآن میں کہیں نہیں دی بلکہ قرآن کے علاوہ منظوری دی گئی۔ یہی وہ وحی ہے جو قرآن کے علاوہ ہے۔

پانچویں دلیل: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا" جب قرآن پڑھا جائے تو سنو۔ "إِذَا قُرِئَتْ آيَةٌ فَاذْبَعُوا كُفْرًا" جب ہم قرآن پڑھیں تو اس کی پیروی کرو۔ مگر قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ اسے نبی جب قرآن نازل ہوا کرے تو لکھ لیا کرو۔ یہ جو نبی صلعم نے قرآن کو لکھا یہ کس وحی سے آیا وحی قرآنی سے! تو وحی قرآنی تو



ساکت ہے۔ لہذا وحی غیر قرآنی سے اس کو لکھوایا۔  
**چھٹی دلیل:** اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ  
 النِّسَاءِ مَثْنِي وَثُلَاثَ وَرُبْعًا** (النساء) دو دو تین تین  
 چار چار جو عورتیں اچھی لگیں ان سے نکاح کر سکتے ہو۔ ہم پوچھتے  
 ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چار سے زیادہ نکاح کئے یہ کس وحی  
 سے؟ وحی قرآنی میں تو صرف چار تک کا حکم ہے۔ نبی صلعم کا یہ فعل  
 بالضرور وحی غیر قرآنی سے ہوا۔

ساتویں دلیل۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَاِذَا قُرِئَ نَاۡهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ  
 تُحْمَلُوْنَ اِنَّ عَلَيْنَا بَيٰۡاٰتُهٗ** (بقرہ - القیامۃ) جب ہم قرآن کی تلاوت کریا  
 تو اس کی پیروی کرو (یعنی سنا) پھر اس کے بعد اس کا سمجھنا ہمارے  
 ذمہ ہے۔ یعنی قرآن کے نازل ہونے کے بعد قرآن کا بیان کرنا اور  
 واضح کرنا اللہ کے ذمہ ہے اب ہم کہتے ہیں کہ یہ بیان قرآن قرآن  
 ہے یا قرآن سے علیحدہ ہے اگر قرآن ہے تو اس قرآن کے لئے پھر  
 بیان کی ضرورت ہے۔ اگر قرآن کے علاوہ ہے تو بیان قرآن  
 قرآن سے علیحدہ منزل من اللہ ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا  
 کہ بیان قرآن ہمارے ذمہ ہے اور بیان قرآن غیر قرآن ہے کیونکہ  
 اگر بیان قرآن قرآن ہوگا تو تسلسل لازم آئے گا۔ لہذا بیان قرآن

غیر قرآن ہے اور وہ اللہ کے ذمہ ہے یعنی اللہ کی جانب سے ہے۔  
 لہذا اللہ کی جانب سے ایسی وحی ثابت ہوگئی جو قرآن سے علوہ ہے۔  
 آٹھویں دلیل - بیت المقدس کو قریباً سترہ مہینے نبی صلعم نے قبلہ  
 بنائے رکھا یہ کس وحی سے بنایا۔ وحی قرآن تو ساکت ہے۔ قرآن  
 میں کہیں نہیں ہے کہ اے نبی تم بیت المقدس کو قبلہ بناؤ اور نبی  
 صرف وحی کا پیروہے۔ لہذا بیت المقدس کو جس وحی سے قبلہ بنایا  
 وہ وحی وحی غیر قرآنی ہے۔

نویں دلیل - نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتا ہے تمہے کہ تین ہزار فرشتوں  
 کی امداد تمہیں کافی نہیں ہے۔ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُبَدِّلَ كَهْرًا بِثَلَاثَةِ  
 اَلَاةٍ مِّنَ الدَّلِيلِكُمْ؟ یعنی اللہ نے ان کے قول کو نقل کیا ہے۔  
 نبی کے اس قول سے قبل یہ قول کہیں قرآن میں نہیں ہے۔ اس  
 سے صاف ظاہر ہو گیا کہ نبی کو اس قول کی وحی قرآن سے الگ ملتی تھی۔  
 دسویں دلیل - يُوصِي بِهَا اَوْ دَيْنٍ - اس آیت میں وصیت مقدم  
 ہے دین پر لیکن نبی نے دین کو وصیت پر مقدم کر دیا۔ اور نبی وحی کے  
 خلاف نہیں کر سکتا۔ اور وحی قرآنی میں اس تبدیلی کا حکم موجود نہیں ہے۔  
 لہذا قرآن کے علاوہ وحی ہوئی تھی۔

گیارہویں دلیل - "وَلِيَكْتَبُ اللَّهُ عَلٰی مَا هَدٰكُمْ" اللہ نے تم

کو جس طرح ہدایت کی ہے اس طرح تکبیر کہو۔ اللہ نے قرآن میں کہیں تکبیر کا طریقہ نہیں بیان کیا۔ صرف نبی نے بیان کیا ہے۔ اللہ نے نبی کے بتائے ہوئے طریقے کو اپنی طرف منسوب کیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ نبی کو وحی کی کہ اس طرح تکبیر کہو یا تکبیر پڑھو۔ اور یہ وحی کہ اس طرح تکبیر کہو قرآن شریف میں شامل نہیں ہے۔

بارہویں دلیل۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ“ (یاد کرو اس وقت کو) جب ہم نے تجھ سے کہا تھا کہ بیشک تیرے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ قرآن شریف کے علاوہ دوسری وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ کیونکہ قرآن شریف میں ”إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ“ کہیں نہیں ہے۔ اور یہاں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تجھ سے کہا تھا کہ بیشک لوگوں کو تیرے رب نے گھیر لیا ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ نے نبی سے قرآن کے علاوہ دوسری وحی کے ذریعہ کہا تھا کہ ”إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ“ یعنی تیرے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے اور اب اس کہنے کو یاد دلایا ہے۔

تیسریں دلیل۔ ”فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ“ اللہ نے اپنے بندہ کو جو وحی کرنی تھی کی۔ یہ صاف دلیل ہے کہ جو کچھ وحی ہوئی

وہ وحی قطعاً قرآن نہیں ہے۔ اس لئے کہ وحی قرآنی سب کو معلوم ہے۔ اور اس وحی کا کسی کو صحیح پتہ نہیں۔ نیز قرآن یا مکی ہے یا مدنی۔ اور یہ وحی نہ مکتی ہے نہ مدنی۔ غرض بے شمار دلائل موجود ہیں قرآن کے علاوہ دوسری وحی پر ”مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ“ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا اس کا نطق صرف وحی ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف قرآن اپنی خواہش سے نہیں بولتا تو یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ قرآن کو آیت میں محذوف نکالنا پڑے گا۔ اور حذف خلاف اصل ہے۔ دوسرے ہُو کی ضمیر کا مرجع اوپر مذکور نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ نہ سیدھے رستے سے رُکا اور نہ ٹیڑھا چلا۔ عمل کی صفائی مَا صَدَلَّ صَاحِبِكُمْ وَمَا غَوَىٰ سے کر دی۔ اور اور قول کی صفائی ”مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ“ سے کر دی۔ یعنی اس کا قول و فعل من جانب اللہ ہے۔ اس کے علاوہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ مطلقاً نطق ہوائی کی نفی ہے۔ اور اگر قرآن کے نطق ہوائی کی نفی ہوگی اور اس کے علاوہ الگ نطق ہوائی ہوگا تو نطق ہوائی سے نطق غیر ہوائی قطعاً ثابت ہمیں ہوگا۔ کیونکہ جس وقت وہ یہ کہے گا کہ یہ اللہ کا قول ہے۔ یعنی یہ کہے گا کہ

”اَلَا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ“ اللہ کا قول ہے تو نبی کا یہ قول اگر ہوا سے ہوگا تو اللہ کا قول اس ہوائی قول سے ہرگز ثابت نہیں ہوگا۔ لہذا اس کا ہر قول غیر ہوائی ہے۔ اور وحی ہے۔ میں پرچھتا ہوں کہ نبی کا ہر قول و فعل جو قرآن میں مذکور نہیں ہے اس کی بابت کیا کہتے ہو؟ اگر وحی سے ہے تو قرآن کے علاوہ وحی ثابت ہوگئی اور اگر وحی سے نہیں ہے تو اس آیت کے خلاف ہوا جاتا ہے کہ ”اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوحٰى رَآئِیَ“ میں تو صرف وحی کا پیرو ہوں۔ اگر کوئی کہے کہ نبی کا ہر قول و فعل وحی سے ہے اور وحی قرآنی سے ہے بعض اقوال و افعال نص سے ہیں۔ بعض استنباط سے ہیں۔ تو یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَادَ اللّٰهُ“ اللہ جو معنی دکھاتا تھا اس پر حکم صادر فرماتے تھے استنباط نہیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ استنباط کے لئے اشتراکِ علت ضروری ہے۔ جہاں علت مشترک نہیں ہے وہاں استنباط نہیں ہو سکتا۔ اب دیکھیے۔

شَدِيدُ الْقُوٰی . ”عَامَّةً شَدِيدُ الْقُوٰی“ میں۔

رُوحَ الْاٰمِیْنَ ”نَزَّلَ بِهٖ الرُّوْحَ الْاٰمِیْنَ“ فَارْسَلْنَا الْیٰهٰرُوْثَ مَتٰی

رَسُولِ الْکَرِیْمِ ”لَاۤ اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ مِّنْ۔“

ان سب سے مراد جبریلؑ ہیں۔  
 دنیا کی تمام طاقتیں، بل کر بھی استنباط نہیں کر سکتیں کہ  
 ان الفاظ کے معنی جبریلؑ ہیں۔ جب تک مشکلم خبر نہ دے کہ ان  
 الفاظ سے جبریلؑ مراد ہے۔

قرآن میں کہیں نہیں ہے کہ ان الفاظ سے جبریلؑ سمجھ لینا  
 اسی طرح ”ذَوَالنُّونِ“ اور ”صَاحِبِ حُوتٍ“ سے مراد یونسؑ  
 ہیں۔ کہیں سے بھی مستنبط نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اقوال  
 ہیں۔ اور ایسے افعال موجود ہیں جو قطعاً قرآن میں موجود ہیں  
 قرآن سے ثابت ہیں۔ نہ اشارتاً۔ نہ اقتضائاً نہ دلالتاً۔

بتاؤ یہ اقوال و افعال بالوحی ہیں یا نہیں؟

اگر بالوحی ہیں تو یہ وہی وحی ہے جس کے ہم درپے ہیں  
 اگر بالوحی نہیں ہیں تو قطعی ”لَا تُدْبِحُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ لِي“ کے خلاف  
 ہیں۔ اور ایسا کہنا کفر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے یہ  
 نہ تھے۔ هَعَاذَ اللّٰه۔

بہر حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل بالوحی تھا۔



(۲)

## حدیث رسول فی نفسہ دین میں حجّت ہے یا نہیں؟

سوال۔ حدیث نبی اور نبی کا قول حجّت ہے یا نہیں؟  
جواب۔ نبی کا قول حجّت ہے۔

ثبوت۔ یہاں تین صورتیں ہیں (۱) ایک تو یہ کہ نبی کا ہر قول حجّت ہے۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ نبی کا کوئی قول حجّت نہیں ہے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ نبی کا بعض قول حجّت ہے اور بعض حجّت نہیں ہے۔ بس صرف یہی تین صورتیں اور تین شقیں ہیں اور کوئی شق نہیں ہے۔ تیسری شق یعنی نبی کا بعض قول حجّت ہے اور بعض قول حجّت نہیں ہے یہ شق باطل ہے۔ اس لئے کہ بعض قول کا حجّت ہونا اور بعض قول کا حجّت نہ ہونا یہ ترجیح بلا مرجع اور تخصیص بغیر مخصص ہے۔  
ترجیح بلا مرجع اور تخصیص بلا مخصص کے یہ معنی ہیں کہ بعض قول حجّت ہے بغیر وجہ کے اور بعض قول حجّت نہیں ہے بغیر وجہ کے۔  
یعنی جبکہ نبی کے دونوں قول ہیں وہ بعض بھی جو حجّت ہیں اور

وہ بعض بھی جو حجت نہیں ہیں تو بغیر وجہ کے ایک بعض حجت ہوا اور  
دوسرا بعض حجت نہ ہو۔ اس کو ترجیح بلامرج اور تخصیص بلامرغخص کہتے ہیں اور  
ترجیح بلامرج اور تخصیص بغیرمغرض بدلتہ باطل ہے لہذا بعض قول کا حجت ہونا  
اور بعض قول کا حجت نہ ہونا شکی بالکل باطل ہو گئی۔ اس لئے کہ یہ بعض بھی  
نبی کا قول ہے جو حجت ہے اور وہ بعض بھی نبی کا قول ہے جو حجت  
نہیں ہے اور قول ہونے میں دونوں برابر ہیں تو یہ بات غیر معقول  
ہے کہ ایک بعض تو حجت ہو اور دوسرا بعض حجت نہ ہو کیونکہ جب  
دونوں نبی کے قول ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک تو حجت ہو اور  
دوسرا حجت نہ ہو۔ اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جو بعض قول  
حجت ہے اس بعض قول کے حجت ہونے پر کوئی شے حجت ہے  
اگر یہ کہا جائے کہ نبی کے بعض قول کے حجت ہونے پر اللہ کا قول  
حجت ہے۔ یعنی نبی کا قول اگر اللہ کے قول کے مطابق ہے تو  
بیشک نبی کا قول حجت ہے اور اگر اللہ کے قول کے مطابق نہیں  
ہے تو نبی کا قول اس وقت حجت نہیں ہے۔ اس مقولہ کا خلاصہ  
یہ ہوا کہ اگر نبی کا قول اللہ کے قول یعنی قرآن کے مطابق ہے تو  
نبی کا قول حجت ہو گا ورنہ نہیں یعنی ترجیح بلامرج اور تخصیص بلا  
مغرض لازم نہیں آتی کیونکہ مرجع اور مخصوص اللہ کے قول کی



مطابقت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ کا قول اور قرآن کی آیت نبی کے قول پر اس وقت حجت ہوگی کہ جب اللہ کا قول اور قرآن کی آیت معلوم ہو جائے اور معین ہو جائے کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ اللہ ہی کا قول ہے۔ یہ قرآن ہی کی آیت ہے اور قول اللہ اور آیت اللہ کا معلوم ہونا اور معین ہونا نامکن ہے جب تک کہ نبی معلوم نہ کرائے اور معین نہ کرے اور جب نبی معلوم کرائے گا بتائے گا اور معین کرے گا تو نبی کا وہ قول جس سے اس آیت کو نبی معلوم کرائے گا اس آیت اور اس قول الہی کی معلومیت اور تعین پر حجت ہوگا۔ تب کہیں جا کے یہ آیت اور قول الہی حجت ہوگا اور اب یہ معاملہ بالکل اٹنا ہو گیا۔ یعنی کہا یہ گیا تھا کہ اللہ کا قول نبی کے قول پر حجت ہے اور ثابت یہ ہو گیا کہ نبی کا قول اللہ کے قول پر حجت ہے اور یہی ح ہے۔ لہذا تیسری شق کہ نبی کا بعض قول حجت ہے اور بعض حجت نہیں، باطل ہو گئی۔ اب یہی دوسری شق کہ نبی کا کوئی قول حجت نہیں ہے یہ کہنا کھرد جنون ہے اور پلمدی قوم کے اجماع کے خلاف ہے۔ نیز ہم کہتے ہیں اگر نبی کا کوئی بھی قول حجتہ نہیں ہوگا تو خدا کا قول بھی حجت نہیں ہوگا کیونکہ نبی جب یہ کہے گا کہ آج مجھ پر نازل ہوا اللہ کی سورۃ نازل ہوئی اور

جب نبی کا کوئی بھی قول حجت نہیں ہے تو یہ بھی قول حجت نہیں رہا۔ اور جب یہ قول یعنی کہ آج مجھ پر قُلُّ هُوَ اللّٰهُ کی سورۃ نازل ہوئی ہے حجت نہیں رہا، تو چونکہ یہ قول نبی قُلُّ هُوَ اللّٰهُ کو شامل ہے اس لئے قول الہی قُلُّ هُوَ اللّٰهُ بھی حجت نہیں رہا۔ حالانکہ بالاتفاق خدا کا قول حجت ہے تو لا بد نبی کا قول بھی حجت ہو گیا۔ اور یہ شق کہ نبی کا کوئی قول حجت نہیں ہے بالکل باطل ہو گئی اور جب پھیلی دونوں شقیں باطل ہو گئیں تو بالضرور پہلی شق یعنی نبی کا ہر قول حجت ہے ثابت ہو گئی۔ غور کرنا چاہیے۔

اب قرآن شریف سے ہم ثابت کرتے ہیں کہ قول رسول حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (المحسنت - النساء)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو اولی الامر ہیں ان کی اطاعت کرو۔ پھر اگر کسی شے میں تم کو اختلاف ہو تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور روز جزا پر ایمان رکھتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو کسی ذمی شعور اور با اختیار کی اطاعت اس ذمی شعور اور با اختیار کے حکم اور قول کی اطاعت ہو کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے یہی معنی ہیں۔ اس کے قول کی اطاعت ہو اور یہ اطاعت صرف قرآن کی اطاعت ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ **أَطِيعُوا اللَّهَ** کے معنی ہیں کہ قرآن کی اطاعت کرو۔ اسی طرح **أَطِيعُوا الرَّسُولَ** کے بھی یہی معنی ہیں کہ رسول کے قول کی اطاعت کرو۔ اب کہو کہ رسول کا قول اور قرآن دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ تو یہ بالکل غلط ہے اور اگر رسول کا قول اور قرآن اور بیز ہے یعنی دونوں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں تو اس صورت میں اس بات کے حکم کے مطابق قول رسول علاوہ قرآن کے حجت ہو گیا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ رسول کی اطاعت کے یہ معنی ہیں کہ قرآن کی دسے قرآن کی روشنی میں رسول جو اقوال اور احکام بیان کرے تو اور اسی طرح اولی الامر قرآن کی روشنی میں جو احکام صادر کریں۔ مانو تو ہم کہتے ہیں کہ رسول کے وہ اقوال و احکام اور اولی الامر کے وہ احکام جو ہرگز قرآن کی روشنی میں نظر نہیں آتے وہ قطعاً اس وقت ناقابل اطاعت ہوں گے۔ اور ان کی اطاعت واجب

نہیں ہوگی۔ اس کی توضیح ایک مثال سے ہو سکتی ہے۔ رسول نے فرمایا کہ صبح کی نمازیں فرض دو رکعتیں ہیں اور مغرب کی نماز کی تین رکعتیں ہیں باقی تینوں نمازوں کی چار چار رکعتیں ہیں اور نبی کا یہ قول تو اتر سے ثابت ہے اور نبی کا یہ قول نہ قرآن میں نظر آتا ہے نہ قرآن کی روشنی میں نظر آتا ہے تو اب بولو کیا کہتے ہو؟ نبی کا یہ قول واجب اطاعت ہے یا نہیں۔ اگر کہو ہاں۔ واجب اطاعت ہے تو بیشک نبی کے قول کے حجت ہونے کے یہی معنی ہیں اور اگر کہو کہ نبی کا یہ قول واجب اطاعت نہیں ہے تو یہ کفر و جنون کا مجموعہ ہے۔ یعنی جو شخص صبح کے دو فرض اور مغرب کے تین فرض اور باقی نمازوں کے چار چار فرض نہ مانے وہ کافر ہے اور مجنون ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن بغیر شرط کے حجت ہے۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ عقل کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ بالکل اسی طرح نبی کا قول حجت ہے۔ خواہ وہ نبی کا قول قرآن سے ماخوذ ہو۔ خواہ ماخوذ نہ ہو۔ مستقل طور پر نبی کا قول ہو تب بھی حجت ہے۔ یعنی جس طرح **أَطِيعُوا اللَّهَ** قرآن کے حجت ہونے پر دلائل کر رہے۔ اسی طرح **أَطِيعُوا الرَّسُولَ** نبی کے قول کے حجت ہونے

پر دلالت کر رہا ہے۔ اسی طرح اولوالامر کا فقط اجماع کے حجت ہونے پر دلالت کر رہا ہے اور یہ تینوں بلا شرط مستقل مجتہدیں ہیں۔ برضات حاکم و امام اور باپ وغیرہ کی اطاعتوں کے۔ کیونکہ یہ اطاعتیں مشروط ہیں۔ اگر قرآن اور حدیث یا دین کے مطابق ہوں تو اطاعت کی جائے گی۔ ورنہ نہیں کی جائیگی حاصل یہ ہے کہ اس وقت جو متفق علیہ دین ہے وہ کُل کا کُل مرث قرآن سے ثابت نہیں ہے بلکہ کچھ حدیث یعنی قول رسول سے ثابت ہے اور کچھ اجماع سے ثابت ہے۔ مثلاً منکر فریضت صوم رمضان کا فریضہ یہ مسئلہ دین کا ہے۔ اگرچہ قرآن اور حدیث میں اس کی تصریح نہیں ہے لیکن یہ اجماع سے ثابت ہے۔ لہذا یہ تینوں غیر مشروط مجتہدیں ہیں۔ اب رہا قیاس۔ تو وہ شرط حجت ہے اس میں شرط ہے کہ فَلَا تَنَازَعُكَ فِي شَيْءٍ مِّنْهُ۔ بس اگر ان میں جہتوں کے بعد بھی کسی شرعی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کر دو۔ یعنی اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جو قرآن سے حدیث سے اجماع سے ثابت نہ ہو تو قرآن اور حدیث میں اس سے ملنا جلتا مسئلہ دریافت کر دو جو حکم قرآن و حدیث میں اس مسئلہ کا ہے۔ وہی حکم اس مسئلہ مختلف فیہ کو دیدو۔ اس کو قیاس کہتے

ہیں۔ اس آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اختلاف کے وقت قرآن کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ قرآن کی طرف اور حدیث کی طرف تو اول دہلیہ میں رجوع ہوگا اور جب وہاں سے مسئلہ کا حکم نہ معلوم ہوگا تو پھر اختلاف ہوگا۔ اور اختلاف کے بعد اس مسئلہ مختلف فیہ کی نظیر قرآن و حدیث میں تماش ہوگی اور جو حکم اس کا ہوگا وہی اس کو دے دیا جائے گا۔ جیسا کہ تمام مجتہدین کرتے ہیں۔ لہذا اس آیت میں چاروں حجوتوں کا بیان کر دیا۔ تین غیر مشروط ہیں۔ ایک مشروط ہے۔ لہذا نبی کا قول حجت ہے اور یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ قرآن تو نبی کا قول ہے ہی نہیں قرآن تو خدا کا قول ہے جس کو نبی نے نقل کیا ہے۔ لفظاً لفظاً۔ قرآن کے علاوہ جتنی باتیں نبی کرتا ہے۔ خواہ وہ باتیں قرآن سے ماخوذ ہوں خواہ نہ ہوں وہ سب باتیں نبی کا قول کہی جاتی ہیں اور ہم نے نبی کے اس قول کو حجت کہا ہے جو نہ قرآن ہے نہ قرآن سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اگر ہم ایسا مضمون بیان کریں جو قرآن سے ماخوذ ہے تو اس صورت میں تو ہمارا قول بھی بحیث ہوگا۔ قرآن کی ماخوذیت کے اعتبار سے۔ نہ یہ کہ ہمارا قول مستقل حجت ہے۔ لیکن نبی کا قول مستقل حجت ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون

کو تبلیغ کی تھی تو اس وقت تورات نازل نہیں ہوئی تھی تو اگر موسیٰ علیہ السلام کا قول حجت نہ ہوتا تو فرعون مستوجب عتاب نہ ہوتا نیز میکہ نبی کا قول نزول کتاب سے قبل اور نیز نزول کتاب کے وقت اور نزول کتاب کے بعد ہر وقت حجت ہے۔ اور اگر نبی کا قول قرآن نظر کتاب سے حجت نہ ہو گا تو کثیر انبیاء کی نبوت باطل ہو جائیگی۔ کیونکہ کثیر انبیاء پر کتابیں نازل نہیں ہوئیں تو اگر صرف کتاب ہی حجت ہوتی تو بے کتاب کا نبی صاحب حجت نہ ہوتا۔ اور اس کا انکار کفر اور موجب عتاب نہ ہوتا لہذا نبی کا قول حجت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے دو قول ہیں ایک قول کے ساتھ معجزہ متعلق ہے۔ دوسرے قول کے ساتھ معجزہ متعلق نہیں ہے جس قول کے ساتھ معجزہ متعلق ہے اس کو قرآن کہتے ہیں۔ جس قول کے ساتھ معجزہ متعلق نہیں ہے وہ قول قولِ رسول کہلاتا ہے۔ وہ جس طرح قول با معجزہ حجت ہے اسی طرح توں بے معجزہ حجتا ہے۔ جس طرح تمام سابقین انبیاء کے اقوال اور کتب سب معجزہ سے خالی تھے اور باوجود معجزہ سے خالی ہونے کے وہ سب کے سب حجت تھے اسی طرح خاتم النبیین کے جملہ اقوال حجت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی انسان کو بذریعہ وحی خطاب کرے تو یہ

خطاب ہی نبوت ہے اور یہ نبی عوام کو خطاب کرے تو یہ خطاب رسالت ہے۔ اگر نبی کا خطاب عوام کے لئے حجت نہ ہوگا۔ تو رسالت حجت نہ رہے گی۔ تو اب کون سی چیز عوام پر حجت ہوگی کیونکہ عوام کو تو خدا کا خطاب براہ راست پہنچ نہیں سکتا۔ نبی کے ہی واسطے سے پہنچے گا۔ اس لئے بالضرور نبی کا خطاب جو خدا کے خطاب کو متضمن ہے حجت ہوگا۔ غلامہ یہ ہے کہ معجزہ نبی کی صداقت پر دلالت کر رہا ہے۔ یعنی معجزہ اس بات پر حجت ہے کہ مدعی نبوت صادق ہے۔ اور جو کچھ نبی کہے گا وہ سب صادق ہوگا۔ خواہ یہ کہے کہ یہ قرآن ہے یہ مجھ پر نازل ہوا خواہ اس کے علاوہ کوئی اور بات کہے۔ تو جس طرح اس کے کہنے سے قرآن نازل ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے کہنے سے قرآن کے علاوہ دوسری بات مانی جاتی ہے اور وہ دو۔ وہی بات نبی کا توں اور نبی کی حدیث کہلاتی ہے۔ معجزہ نے نبی کی مطلقاً صداقت ثابت کی ہے۔ معجزہ نے صرف یہ نہیں ثابت کیا کہ اگر نبی کوئی بات من جانب اللہ کہے تو وہ صادق ہے۔ بلکہ معجزہ نے مطلق صداقت نبی کی ثابت کی ہے۔ اب جب یہ ثابت ہو گیا کہ نبی صادق ہے تو اس صادق نے دو باتیں کہی ہیں۔ ایک کا نام قرآن ہے۔ دوسری کا نام



حدیث ہے تو جس طرح اس کی صداقت قرآن پر حجت ہے اسی طرح اس کی صداقت حدیث پر حجت ہے۔ یعنی قرآن کو نبی کے کہنے سے مانا گیا ہے تو گویا نبی کا کہنا اور نبی کا قول قرآن کے قرآن ہونے اور قرآن کے حجت ہونے پر حجت ہے۔ تو قرآن کی حیثیت کی علت نبی کا قول ہوا۔ اسی طرح نبی کا قول حدیث کے حجت ہونے پر اور حدیث کے قابل قبول ہونے پر حجت ہوا۔

بولو کیا کہتے ہو؟ قرآن کو قرآن کس کے کہنے سے کس کے قول سے مانا۔ نبی کے قول سے مانا۔ نبی کے کہنے سے مانا۔ تو بیشک نبی کا قول حجت قرآن پر ہو گیا۔ بالکل اسی طرح نبی کا قول تمام اقوال نبی پر حجت ہو گیا۔ یعنی سمجھنے سے یہ بتا دیا کہ نبی سچا ہے۔ اس کی بات مانو۔ قرآن شریف سے دوسرا ثبوت ”رُسُلًا مَّبَشُرِينَ دَمُنْدِرِينَ لِمَلَأْنَا عَلَى اللَّهِ حُجَّةً بَعْدَ التَّوْسُلِ“ ہے۔ یعنی رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے اس لئے بھیجے ہیں کہ رسولوں کے آنے کے بعد اللہ پر لوگوں کے لئے حجت باقی نہ رہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ رسول لوگوں پر حجت ہیں اور فرمایا ”مَا كُنَّا مَعَدِّينَ حَتَّى تَبْعَثَ رَسُولًا“ (سہان الذی - بنی اسرائیل) جب تک رسولوں کو نہیں بھیجتے

اس وقت تک ان کو عذاب نہیں کرتے۔ یعنی رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ لوگ رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اس انکار کے سبب وہ مستحق عذاب ہو جاتے ہیں۔ اور فرمایا: "إِنَّكَ لَنَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" (الذہر: ۱۷) یعنی "تو تجھے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اگر رسول کا قول حجت نہ ہوتا تو اس کی ہدایت سیدھے راستے کی طرف نہ ہوتی۔ اور فرمایا: "إِنَّكَ لَمِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" (سین: ۷۰) یعنی "تو جو شخص سیدھے راستے پر خود ہو اور سیدھے راستے کی ہدایت بھی کرے اس کا قول حجت نہ ہو یہ عجیب بات ہے۔"

اور فرمایا: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (آل ما: الاحزاب) "تمہارے لئے رسول اللہ کا بہترین نمونہ کافی ہے۔ اور فرمایا: "فَلَا وَرَدَّكَ كَايِدٌ يَمْسُورٌ حَتَّى يُبَيِّنَ لَكَ فِيهِمَا تَجْوِزَ بَيْنَهُمَا" (النساء) "تو تیرے پورے دور و گار کی یہ مومن ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ یہ اپنے تمام معاملات، متنازعہ فیہ میں تجھ کو حکم نہ بنالیں۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ مجھ کو حکم نہ بنالیں بلکہ تجھ کو حکم نہ بنالیں۔ اگر رسول کا قول حجت نہ ہو تو پھر وہ کیونکر حکم بن سکتا ہے۔ قرآن کی رد سے نبی حکم

ہے اور حکم کا قول حجت ہے۔ یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ حجت کے معنی موجب ایمان اور موجب عمل کے ہیں۔ سو بعض حجت تو موجب ایمان و عمل ہے اور بعض حجت صرف موجب ایمان ہے اور بعض حجت صرف موجب عمل ہے۔ قرآن شریف کا وہ حصہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اُمُّ الْكِتَابِ اور آیاتِ محکمات ہیں وہ موجب ایمان نبی ہے اور موجب عمل بھی۔ اور وہ حصہ جس کے متعلق فرمایا ہے کہ مُتَشَابِهَاتٌ ہیں۔ وہ صرف موجب ایمان ہے۔ موجب عمل نہیں۔ اور اس کی پیروی کو نَزِيعٌ اور کجی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن نبی کا قول کل کا کل موجب ایمان اور موجب عمل ہے۔ نبی کے قول میں تقسیم نہیں ہے۔ جس طرح خدا کے قول میں تقسیم ہے۔ لیکن نبی کا وہ قول جو بطریقِ ظن آیا ہے وہ صرف موجب عمل ہے۔ موجب ایمان نہیں ہے اور عنقریب اس کا بیان آتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن بہر حال حجت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے حجت ہونے کی کیا علت ہے۔ اگر منجانب اللہ ہو نا حجت ہونے کی علت ہے تو ہر وہ شئی جو منجانب اللہ ہے وہ حجت ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا.. قَدْ كُلُّ مِمَّنْ عِنْدَ اللَّهِ یعنی ہر حصہ وسیئہ اللہ

ای کی جانب سے ہے۔ اس صورت میں سیئہ حجت ہو جائیگی نیز منشا بہات بھی من جانب اللہ ہیں۔ لہذا وہ بھی حجت ہر جائیں گے۔ حالانکہ سیئہ اور منشا بہات دونوں حجت عمل نہیں ہیں بلکہ علت حجت احکام ہیں جس کے متعلق فرمایا:

آيَاتٌ مَّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ (تلا لرسول: آل عمران)  
 اس میں محکم آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں۔ لہذا اب محکم اور منشا بہ  
 میں تمیز کر کے۔ جو تمیز کرے گا اسی کا قول حجت ہوگا۔ اور  
 یہ تمیز صرف نبی کے قول سے ہوتی ہے۔ لہذا نبی کا قول حجت  
 ہے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ”وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا  
 إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ الرَّسُولِ“ اور جب ان سے  
 کہا جاتا ہے کہ آؤ اس شے کی طرف جو اللہ نے نازل  
 کی ہے اور رسول کی طرف۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ  
 اگر رسول کا قول حجت نہ ہوتا تو رسول کی طرف بلانا بے سود  
 ہوتا۔ اور فرمایا ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ  
 بِإِذْنِ اللَّهِ“ یعنی کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر صرف اس  
 لئے کہ پادین الہی اس کی اطاعت کی جائے۔

”مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ“ یعنی جس نے

رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔  
غضبیہ بے شمار آیات ہیں۔ جن سے رسول کا مطاع ہونا  
ظاہر ہو رہا ہے۔ کتاب کے علاوہ کوئی اور چیز حجت ہے۔  
اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ "إِن تَوْنِيْ بِكِتَابٍ مِّنْ  
قَبْلِ هٰذَا أَوْ آخِرَةٍ مِّنْ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔"  
(الحجۃ الاحقاص) اس سے پہلے کی کسی کتاب سے یا آثارِ علی  
سے ان تہوں کی شرکت میرے ساتھ ثابت کرو اگر تم سچے ہو۔  
یعنی اللہ تعالیٰ ان شرکین سے حجت ماننا ہے کہ تم جو  
تہوں کو میرا شریک ٹھیرا ہے ہو اس پر کیا حجت ہے۔ یا  
کتاب یا آثارِ علی۔ بہر صورت ان دونوں میں سے کوئی چیز  
لاؤ۔ اس سے پتہ چل گیا کہ اللہ کے نزدیک آثارِ علی حجت ہیں  
جن کا مطالبہ اللہ نے کیا، اور یہ آثارِ علی کتاب سے علیحدہ چیز ہیں جو  
حجت ہونے میں اللہ کے نزدیک معتبر ہے۔ کتاب سے مراد وہ کتاب ہے  
جو انبیاء سابقین پر نازل ہوئیں اور آثارِ علی سے مراد وہ احادیث اور  
آثار ہیں جو انبیاء سابقین سے بطور خبر واحد منقول ہیں۔ اور بالکل یہ  
آثارِ علی ہی چیز ہے۔ جسے ہم آثار اور احادیث کہتے ہیں۔ اور فرمایا  
وَمِنَ الْمَنَامِ مَنْ يُجَادِلُ فِيْ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

وَلَا هُدًى وَلَا صِرَاطٌ مُّبِينٌ۔ (اقتوب - المعجب) کبھی ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی ذات و صفات میں بغیر علم و ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے مباحثہ کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ظلم و ہدایت روشن کتاب کے علاوہ حجت ہیں۔ ظلم تو بدیہی مقدمات کو کہتے ہیں ہدایت ان نظری مقدمات کو کہتے ہیں جو بدیہی مقدمات سے ثابت ہوتے ہیں۔ غرضیکہ قرآن شریف میں بے شمار آیات موجود ہیں۔ جن سے نبی کے قول کا حجت ہونا ثابت ہے۔ اور اصل دلیل وہی ہے کہ معجزہ نبی کی صداقت پر حجت ہے اور نبی کی صداقت قرآن و حدیث دونوں پر حجت ہے۔ اور معجزہ حجتی طور پر ظہور ہوا کرتا ہے۔ اس لئے معجزہ کے لئے حجت کی منزلت نہیں ہے۔ کلام اللہ اور کلام اللہ سے جو احکام اور معنی ثابت ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوتے ہیں۔ وہ قطعاً حجت ہیں اور دلیل وہی ہے جو اوپر گذر چکی ہے۔

مَنْ كَرِهَ لِمَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ  
فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے

خدا کی اطاعت کی) میں جس اطاعت کا بیان ہے۔ اس اطاعت سے رسول کی ذات کی اطاعت مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح ابفاظ میں کہہ دیا ہے کہ کسی نبی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ اس لئے خود رسول اللہ سے کہہ دیا گیا کہ آپ کو لوگوں کے متنازعہ فیہ امور کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کرنے ہیں۔

فَاَحْكُمْ بَيْنَهُمْ يٰۤاَنْزَلْنَا اللّٰهَ . تم ان کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرو۔ اور منکرین حدیث نے کہا ہے کہ آیت مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُؤْتِيَهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِقُلُوْبِ عِبَادِ اللّٰهِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبٰنِيْنَ کے یہ معنی ہیں کہ نبی انسان کو اس کا یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اسے کتاب اور حکومت اور نبوت دے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میری نکلونی اختیار کرو۔ ایسے ہی کہنا چاہیے کہ تم ربانی بن جاؤ میں کہتا ہوں یہ معنی غلط ہیں کیونکہ آیت میں لفظ ہے كُوْنُوْا عِبَادًا لِىْ كَايْمَنِ نَبِىِّ كَايْمَنِ معنی نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ كُوْنُوْا عِبَادًا لِىْ کے معنی کسی لعنت میں بھی یہ نہیں ہیں کہ میری

محکومی اختیار کرو۔ عباد کے معنی بندے اور مخلوق کے ہیں نہ محکوم کے اور نہ مطیع کے۔ اور عباد کا لفظ مومن، کافر، جاندار، بے جان سب کو شامل ہے۔ "إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلُ الْكُرُ؛ (قال ملا۔ الاعوان) بے شک اور کو چھوڑ کر تم جن کو پکارتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے بندے ہیں۔ اور فرمایا: "يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا أَسْكِنُ الْفَيْسِهِمْ" (فمن اظلم۔ الزمر) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ "فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا (سبحان اللہ) اکھٹے) ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا۔ غرضیکہ عبد اور عباد کا لفظ جہاں بھی قرآن میں آیا ہے۔ مخلوق ہی کے معنی میں ہے اور بندے کے معنی میں ہے۔ نہ محکوم کے معنی میں۔ آیت "ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّيْ" کے معنی یہ ہیں کہ پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ یعنی نبی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں خالق ہوں تم میری مخلوق ہو جاؤ میں معبود ہوں تم میرے عباد ہو جاؤ۔ یہ ترجمہ نہیں ہے کہ پھر وہ کہے کہ تم میرے محکوم بن جاؤ یا میری محکومی اختیار کرو۔ مطلب یہ ہے کہ



بد کو بھی بندہ کہا۔ نیک کو بھی بندہ کہا۔ بننے ہونے میں تمام مخلوق برابر ہے۔ اور محکوم ہونا اور مطیع ہونا ذوی العقول کے ساتھ خاص ہے یعنی مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کے ساتھ حکم کرنا ذی عقل ہی کے ساتھ خاص ہے اور عَبْدٌ ذی عقل اور بے عقل دونوں میں مشترک ہے، اب اگر كُوْنُوا عِبَادًا آئی کے معنی كُوْنُوا مُحْكُوْمِيْنَ ہوں گے تو تمام جمادات اور نباتات سب کے سب مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کے مخاطب ہوں گے حالانکہ ان کو مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کے ساتھ خطاب نہیں کیا گیا۔ ان کو وہ احکام نہیں بتائے گئے جو انسانوں کو بتائے گئے ہیں اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ عباد کے معنی بندہ، اور مخلوق کے ہیں۔ ذکر محکومین کے اور مطیعین کے۔

اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ تم بناؤ تو یہی کہ یہ آیت جبر شخص نے سنائی تم نے اس آیت کو مانا یا نہیں مانا۔ اگر نہیں مانا تو کافر ہو گئے۔ اور اگر مانا تو بغیر مَا أَنْزَلَ اللَّهُ اور بغیر کتاب اللہ کے حکم کے مانا تو قطعاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم مستقل مطاع ہو گئے کتاب اللہ میں کہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے آیت، کو مانو، اگر کوئی ایسی آیت پیش کرے کہ جس میں یہ معنوں

ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے اس آیت کو مانو تو اس آیت کو اس آیت کے کہنے سے ماننا، مطلب یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے معنی کتاب اللہ کی اطاعت کے ہیں۔ کیونکہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اور اللہ کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت ہے۔ تو رسول کی اطاعت و حقیقتاً کتاب اللہ کی اطاعت ہے۔ لیکن یہ اطاعت رسول کی ذات کی اطاعت نہیں ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ جب رسول کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت ٹھیری تو بتاؤ کہ کتاب اللہ کی اطاعت کس کی اطاعت ہے؟ اللہ کی اطاعت ہے یا رسول اللہ کی اطاعت ہے؟ اگر کہو کہ کتاب اللہ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے تو تم ابھی کہہ چکے ہو کہ اللہ کی اطاعت کتاب اللہ کی اطاعت ہے تو یہ بالکل الٹا پلٹ ہو گیا۔ اور نیز تم کہتے ہو کہ کتاب کی اطاعت بذریعہ رسول ہے تو رسول کی اطاعت کتاب کی اطاعت سے مقدم ہو گئی۔ اور جب رسول کی اطاعت کتاب سے مقدم ہو گئی تو یہ رسول کی ذات کی اطاعت ہوئی نہ کہ کتاب کی۔ حاصل یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ رسول کی ذات کی اطاعت نہیں ہے بلکہ

اللہ کی یعنی کتاب اللہ کی اطاعت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کتاب اللہ کو کتاب اللہ ماننے میں کس کی اطاعت ہے کتاب اللہ کی اطاعت ہے یا رسول اللہ کی؟ اگر کہو کہ اللہ کی اطاعت ہے یعنی اللہ کے کہنے سے کتاب اللہ کو کتاب اللہ ماننا ہے تو یہ بالکل جنون ہے۔ اگر کہو کہ کتاب اللہ کو کتاب اللہ سے ماننا ہے تو یہ حماقت ہے۔ اگر کہو کہ کتاب اللہ کو رسول اللہ کے کہنے سے ماننا ہے تو یہ حق ہے۔ اور اب رسول اللہ کی اطاعت کتاب اللہ سے مقدم ہو گئی۔ اور یہی رسول اللہ کی ذات کی اطاعت کے معنی ہیں۔ لہذا رسول اللہ کی اطاعت مستقل ہو گئی۔ بالکل اسی طرح جس طرح کتاب اللہ کی اطاعت مستقل ہے۔ بلکہ کتاب اللہ کی اطاعت فرع ہے۔ رسول اللہ کی اطاعت کی۔ اور رسول اللہ کی اطاعت مستقل حجت ہو گئی کتاب اللہ پر۔ غور کیجئے۔

اس آیت کے ترجمہ میں منکر حدیث نے حکم کے معنی حکومت کے لئے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ حکم کے معنی فہم کے ہیں باتفاق مفسرین اور نیز حضرت یحییٰ کی بابت اللہ نے فرمایا  
 وَ اٰتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا (قال العبر مریض) ہم نے یحییٰ کو

میں اس کو یعنی یحییٰؑ کو فہم عطا کیا تھا۔ اگر حکم کے معنی حکومت کے ہوتے تو آیت کے معنی یہ ہوتے کہ ہم نے یحییٰؑ کو ہی میں یہ یعنی حکومت دی تھی۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ یحییٰؑ کو حکومت نہیں ملی تھی۔ اور یہاں ایک نکتہ ہے۔ اس کو سمجھ لینا چاہیے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر اللہ کہے کہ میری اطاعت کرو تو اس کہنے کے بعد وہ مطاع ہے۔ یعنی اللہ کی ذات بذاتہ مطاع ہونے کو نہیں چاہتی کیونکہ اس کی ذات ازلی ہے اور تقاضائے ذات ذات سے جدا نہیں ہوتا۔ تو اگر ذات کا تقاضا مطاع ہونا ہو تو مطاع ہونا بھی ازلی ہو جائے گا۔ اور مطاع کا تحقق مطیع کے بغیر نہیں ہو سکتا تو مطیع بھی ازلی ہو جائے گا۔ حالانکہ عالم اور مطیعین سب کے سب حادث ہیں۔ ازلی نہیں ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اللہ کی عبادت اور اطاعت اس وقت ہوگی جب وہ حکم دے گا۔ لہذا اللہ کا معبود ہونا اور مطاع ہونا اللہ کے حکم سے ہوا ہے نہ کہ اللہ کی ذات سے۔ یہی وہ دقیقہ ہے کہ جس پر لعین اول نہیں مطلع ہوا۔ یعنی وہ لعین یہ نہیں سمجھا کہ سجد ہونے کی علت ذات باری نہیں ہے بلکہ

امر باری ہے۔ اسی طرح مطاع ہونے کی علت امر باری ہے نہ ذات باری۔ جب اس نے یہ امر کیا ”أَطِيعُوا اللَّهَ“ اللہ کی اطاعت کرو تو محض اس امر کی بنا پر اللہ مطاع ہو گیا۔ پھر اس نے امر کیا ”أَطِيعُوا الرَّسُولَ“ تو محض اس امر کی بنا پر رسول مطاع ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو علت مطاع ہونے کی اللہ کے لئے ہے۔ وہی علت مطاع ہونے کی نبی کے لئے ہے۔ بس جس طرح اللہ کی اطاعت اس امر کی بنا پر فرض ہے۔ اسی طرح رسول کی اطاعت اس امر کی بنا پر فرض ہے۔ یعنی اگر أَطِيعُوا اللَّهَ کا امر نہ ہوتا تو اللہ کی اطاعت فرض واجب نہ ہوتی۔ بالکل اسی طرح أَطِيعُوا الرَّسُولَ کا امر نہ ہوتا تو رسول کی بھی اطاعت واجب نہ ہوتی۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ فاعل بالذات نہیں ہے۔ فاعل بالارادہ ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ کفار فلاسفہ کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی ذات اگر مقتضی مسجودیت ہوتی تو دائماً مسجود ہوتی۔ حالانکہ اوقات مکردہ میں سجدہ ممنوع اور حرام ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ نبی کا مطاع ہونا اس آیت اور کتاب اللہ سے ثابت ہوا۔ اور تم اوپر یہ بیان کر چکے ہو

کہ نبی حجت ہے کتاب پر نہ کہ کتاب حجت ہے نبی پر اور یہاں  
 تم نے یہ بیان کیا کہ امر الہی یعنی ذَا طِيعُوا الرَّسُولَ نَبِيَّ كُمْ کے مطلع  
 ہونے پر حجت ہے۔ تو اس کی کیا توجیہ ہے۔ تو ہم کہیں گے۔  
 امر الہی حقیقت میں حجت ہے۔ امر الہی کبھی قول ہوتا ہے  
 جیسے ذَا طِيعُوا الرَّسُولَ میں۔ کبھی فعل ہوتا ہے۔ اور وہ فعل  
 الہی معجزہ ہے۔ جس نے نبی کو مطاع بنایا۔ محض اس امر فعلی  
 اعجازی کی بناء پر نبی مطاع بنا ہے اور یہ امر قَوْلِي طِيعُوا الرَّسُولَ  
 اس امر فعلی اعجازی کی تاکید ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ معجزہ یعنی  
 امر فعلی اعجازی نبی پر حجت ہوا اور نبی قرآن کے تعین پر حجت  
 ہوا۔ اور قرآن نے نبی کے مستقل مطاع ہونے پر مزید تاکید  
 آدی۔ نبی کو صداقت قرآن پر موقوف نہیں ہے، بلکہ قرآن  
 کا معین ہونا۔ یعنی قرآن کا قرآن ہونا نبی کی صداقت پر موقوف  
 ہے۔ اور نبی کی صداقت نبی کا مطاع ہونا، نبی کا حجت  
 ہونا یہ سب معجزہ پر موقوف ہے جو امر الہی فعلی ہے یعنی  
 اللہ کے اس فعلی معجزہ نے یہ حکم دیا کہ یہ مدعی نبوت سچا  
 ہے۔ بس غور کرو کہ نبی کا قول فعلی سب اسی طرح حجت ہے  
 جس طرح خدا کا فعل حجت ہے جس طرح خدا کے قول کے

حجت ہونے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ عقل کے مطابق ہو۔ بالکل اسی طرح نبی کے قول کے حجت ہونے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ قرآن کے مطابق ہو۔ اس لئے کہ نبی کا قول بھی قول اللہ ہے۔ اور قرآن بھی قول اللہ ہے۔ اور اللہ کے دونوں قول ہیں۔ قرآن بھی اور حدیث رسول بھی۔ تو اللہ کے قول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس میں تنوع نہ ہو جس طرح کہ اس کے ایک فعل کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ دوسرے فعل کے مطابق ہو۔ ایک طرف پہاڑ کی چوٹی فلک تک پہنچ رہی ہے۔ دوسری طرف کھڈ کی گہرائی تحت الثریٰ تک پہنچ رہی ہے جس طرح اس کے ایک فعل کا دوسرے فعل کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اس کے ایک قول کا یعنی حدیث رسول کا اس کے دوسرے قول یعنی قرآن کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہاں مغالطہ ہوا ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نبی چونکہ بشر ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کا قول خدا کے قول کے مطابق ہو۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ نبی کا قول حضرت خدا کا قول ہے۔ قرآن بھی وحی ہے اور نبی کا قول بھی وحی ہے جیسا کہ پہلے صفحات میں ثابت کر دیا گیا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ بِحِينِ الْفِتْرِ (قال فلاخطبكم۔ الذج)

اس کا بطنی اس کی خواہش سے نہیں ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا  
 وَحْيٌ يُوسَىٰ (قال فما خطبكم الفخما وہ تو صرف وحی ہے جو وحی  
 کی گئی۔ اب اگر کوئی کہے کہ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ  
 (لا يبطئ المائدة) کے کیا معنی ہیں۔ نبی سے یہ کہا جا رہا ہے کہ تو  
 کتاب اللہ کے ساتھ ان کے درمیان حکم کر تو اس کا جواب یہ  
 ہے کہ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کے معنی صرف کتاب اللہ کے نہیں  
 ہیں۔ بلکہ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کتاب اللہ بھی ہے اور حدیث  
 رسول اللہ بھی ہے۔ غور کرو کہ صبح کے دو فرض اور تہ کے  
 چار فرض اور عصر کے چار فرض اور مغرب کے تین فرض اور عشا  
 کے چار فرض یہ سب نبی نے بتائے ہیں۔ اور کتاب اللہ میں  
 کہیں یہ تفصیل نہیں ہے اور نہ یہ تعداد ہے۔ تو اب یا تو یہ  
 کہو کہ یہ پانچوں نمازیں اور ان کے اوقات و تعداد کا حکم نہیں  
 ہے۔ کیوں کہ کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔ تو اس صورت میں صرف کفر  
 ہی نہیں بلکہ جنون بھی شامل ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ یہ قطعی حکم الہی ہے  
 تو ضرور بالفرض قرآن کے علاوہ یہ حکم نبی پر نازل ہوا اور نبی نے  
 "ما انزل اللہ کے ساتھ حکم کر دیا ہے۔ منکرانہ بیعت نے رسالہ اطاعت  
 رسول میں کہا ہے کہ أَمَرَ آلَا تَقْبَلُوهُ إِلَّا رِأْيَاكُمْ (دما من دابة۔ یوسف)



کے معنی یہ ہیں کہ اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی حکومت اختیار نہ کرو اور کہا ہے کہ قرآن کی رو سے خدا کی محکومیت اور خدا کی عبادت سے مراد ایک ہی ہے۔ یعنی قوانین خداوندی کی اطاعت۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ عبادت کے معنی اطاعت کے ہیں اور اس کے نزدیک لَا تَقْبُدُوا کے معنی لَا تَطِيعُوا کے ہیں۔ یعنی عبادت اور اطاعت ایک ہی چیز ہے میں کہتا ہوں کہ عبادت کا اطاعت ہونا بالکل غلط ہے۔ عبادت بتوں کی ہوتی ہے۔ جنوں کی ہوتی ہے۔ يَعْبُدُونَ الْجِنَّ (دمن یقنت۔ سبأ) یعنی وہ جنوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اور ملائکہ کی عبادت ہوتی ہے۔ مسیح علیہ السلام کی عبادت ہوتی ہے، سبوح کی عبادت ہوتی ہے۔ غرضیکہ متعدد عبادتیں ہوتی ہیں۔ لیکن یہ اطاعتیں نہیں ہوتیں یعنی بتوں کا کوئی مطیع نہیں ہوتا۔ اس لیے ملائکہ و عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کا کوئی مطیع نہیں ہے۔ لیکن عابد ہے تو معلوم ہو گیا کہ مطیع اور پیر ہے اور عابد اور چیز ہے اور نیز رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ لیکن رسول کی عبادت اللہ کی عبادت نہیں ہے اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اطاعت علیحدہ چیز ہے اور عبادت علیحدہ چیز ہے۔ یہ ایک نہایت زبردست مغالطہ ہے جس میں لوگ پھنس گئے ہیں۔

۵۴

(۳)  
حدیث کا جو معتبر مجموعہ ہمارے پاس ہے  
وہ یقینی ہے یا نہیں؟

سوال: کیا احادیث رسول کا جو معتبر مجموعہ ہمارے پاس ہے  
وہ یقینی ہے یا ظنی؟  
جواب: وہ ظنی ہے۔ بخاری، مسلم وغیرہ میں جو احادیث ہیں  
وہ ظنی ہیں۔

(۴)

ظن شرعاً حجت ہے یا نہیں؟

سوال: کیا ظن شرعاً حجت ہے یا نہیں؟  
جواب: ظن شرعاً بھی حجت ہے اور عقلاً بھی حجت ہے۔ ظن  
کے حجت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ظن عمل کو واجب کر دیتا ہے۔  
یعنی ظن موجب عمل ہے۔ موجب ایمان نہیں ہے۔  
ظن کے معنی۔ پہلے ظن کے معنی سمجھ لینے چاہئیں۔

جب حکایت ذہن میں آتی ہے تو اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں  
 ذہن اس کے صدق و کذب کی طرف متغف ہوتا ہے یا نہیں  
 ہوتا۔ اگر حکایت، کے ذہن میں آنے کے بعد ذہن اس کے صدق  
 و کذب کی طرف متغف نہیں ہوا تو اس کو ”تخمیل“ کہتے ہیں اگر  
 متغف ہوا تو کسی ایک طرف یعنی فقط صدق یا فقط کذب کی  
 طرف متغف ہوا یا دونوں کی طرف متغف ہوا۔ اگر فقط ایک  
 طرف التفات ہو تو یہ ایک طرفہ التفات ”جرم“ یا ”قطع“  
 کہلاتا ہے۔ اور اس کی تین صورتیں ہیں اور وہ یہ ہیں کہ یہ  
 ایک طرفہ التفات واقع کے مطابق ہے یا واقع کے مطابق نہیں  
 ہے۔ یعنی واقع میں یہ حکایت بالکل صادق تھی ذہن نے اس  
 کو بالکل کاذب جانا یا واقع میں بالکل کاذب تھی ذہن نے بالکل  
 صادق جانا۔ تو اگر ایک طرفہ التفات واقع کے خلاف ہے تو  
 اس کو ”جہل مرکب“ کہتے ہیں۔ اور اگر واقع کے مطابق ہے  
 تو اس التفات اور اس اعتقاد کا زوال یا تو ممکن ہے یا ناممکن  
 ہے۔ اگر ممکن الزوال ہے تو یہ ایک طرفہ التفات جو واقع کے سچی  
 مطابق ہے اور ممکن الزوال بھی ہے۔ تقلید کہلاتا ہے۔ اور اگر  
 ناممکن الزوال ہے تو یہ ایک طرفہ التفات جو واقع کے مطابق بھی ہے۔

اور اس کا زوال بھی ناممکن ہے اس ایک طرفہ التفات و اعتقاد کو "یقین" کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یک طرفہ التفات کی تین قسمیں ہیں، (۱) چہل مرکب (۲) تقلید اور (۳) یقین۔ اسی طرح دو طرفہ التفات کی بھی تین قسمیں ہیں۔ یہ دو طرفہ التفات دونوں طرف اگر برابر برابر ہے تو اس کو "شاک" کہتے ہیں اور اگر کم اور زیادہ ہے تو جدھر کم ہے اس کو "وہم" کہتے ہیں اور جدھر زیادہ ہے اس کو "ظن" و "گمان" کہتے ہیں مثلاً فلاں حکایت نسی الصدق ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ صدق کی طرف زیادہ التفات ہے اور کذب کی طرف کم التفات ہے یہ فلاں حکایت ظنی الکذب ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ کذب کی طرف زیادہ التفات ہے۔ صدق کی طرف کم التفات ہے۔ اب جبکہ ظن کے معنی معلوم ہو گئے تو اب یہ دیکھنا ہے کہ ظن عمل کو واجب کرتا ہے یا نہیں۔ سو معلوم کرنا چاہئے کہ یقین میں ایسی زیادتی ہے جو بالکل ایک طرفہ ہے اور دوسری طرف کمی بالکل نہیں ہے۔ صرف ایک ہی طرف زیادتی ہی زیادتی ہے اور ظن میں ایسی زیادتی ہے کہ دوسری طرف کچھ کمی ہے۔ بہر حال زیادتی میں اور رجحان میں دونوں برابر ہیں اور عمل کو واجب

کرنے والی چیز زیادتی ہے نہ کہ کمی۔ تو جس طرح یقین بوجہ زیادتی کے موجب عمل ہے۔ بالکل اسی طرح ظن بوجہ زیادتی کے موجب عمل ہے۔ یعنی یقین موجب عمل کیوں ہے؟ صرف اس وجہ سے کہ اس میں زیادتی ہے۔ ایسی زیادتی کہ جس میں کمی کا احتمال نہیں ہے۔ تو یقین میں موجب عمل زیادتی ہے۔ نہ کہ کمی کا احتمال نہ ہونا۔ لہذا حجت صرف زیادتی ٹھیری اور یہ ظن میں موجود ہے۔ لہذا جس بنا پر یقین حجت ہے وہی بنا ظن کی حجت ہونے کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عمل کرنے کے لئے اس عمل کے حسن کا تصور چاہیے اور یہ تصور جس طرح یقین میں ہے۔ اسی طرح ظن میں ہے۔ کیونکہ ظن میں رجحان موجود ہے اور یہ رجحان ہی عمل کرانے کے لئے کافی ہے لہذا ظن و یقین ایک بنیاد پر حجت ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر صرف یقین حجت ہو گا نہ ظن، تو عالم میں کہیں بھی ناکامی نہیں ہوگی اور ناکامی مفقود ہو جائے گی۔ کیونکہ جب انسان کو یقین ہو گیا کہ یہ عمل نافع ہے تو نفع اور فائدہ اور کامیابی لازمی طور پر ہوگی اور نقصان اور نامرادی مفقود ہو جائے گی۔ حالانکہ عالم میں ناکامی اور کامیابی۔ نفع و نقصان دونوں متحقق ہیں۔ لہذا معلوم ہو گیا کہ صرف یقین پر

مدارِ عمل نہیں ہے بلکہ ظنِ عمل کے لئے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صورتوں میں ناکامی ہوتی ہے۔

## ظن کے حجت ہونے کی حسی مثالیں

دنیا کے تمام قسم کے معاملات اور کاروبار میں مثلاً تجارت کا عمل ظن پر موقوف ہے۔ ہر تجارت میں نفع نہیں ہوتا اگر یقینی نفع تجارت کرنے کی علت ہوتا تو گھانا کسی کو نہ ہوتا بلکہ قطعی نفع حجتِ عمل تجارت ہے۔

(۱) اسی طرح مزدوری کا معاملہ ہے۔ اگر مزدور کو یقین ہوتا کہ بازار جا کر مزدوری یقیناً مل جائے گی۔ تو کوئی مزدور میکار نہ ہوتا۔ صرف مزدوری کا ظن اس کو بازار لاتا ہے۔ اکثر اوقات مزدوری مل جاتی ہے۔ کبھی نہیں بھی ملتی۔

(۲) اسی طرح نوکری کا حال ہے۔ اور اسی طرح ڈاکٹری کا حال ہے۔ ڈاکٹر کو قطعاً یہ یقین نہیں ہوتا کہ اس کی دوا سے شفا ہوگی۔ اگر ایسا ہوتا تو تمام مریض شفا پا رہتے۔ ڈاکٹر کو صرف ظن ہوتا ہے اور وہ اپنے ظن پر دوا دیتا ہے۔ کبھی شفا ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں۔ لہذا ڈاکٹر کا عمل اور دوا کا عمل دونوں ظنی ہیں۔

اب اگر ظن موجب عمل نہ ہو تو معاملہ ہی ختم ہو جائے اور کوئی علاج ہی نہ کرے اور کرائے۔ اسی طرح سفر خواہ پیدل کرے یا سواری میں کرے، موٹر۔ ریل۔ ہوائی جہاز۔ گھوڑا گھاری غرض کسی طرح بھی سفر کرنے والا سفر کرے اس کو یہ یقین نہیں ہوتا ہے کہ وہ بنجر و عافیت منزل پر پہنچ جائے گا صرف ظن ہی ہے۔ اب اگر ظن موجب عمل سفر نہ ہو تو سفر ہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسی طرح ہوائی جہاز۔ ریلیں وغیرہ ہیں کسی کو بھی یقین نہیں ہے کہ ان سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اور فائدہ ہی فائدہ ہوگا۔ بلکہ ظن غالب ہے کہ فائدہ ہوگا۔ کبھی نقصان بھی ہو جائے گا۔ اب اگر ظن مفید عمل نہ ہو تو تمام صنعتیں باطل ہو جائیں گی۔ غرض یہ ہے کہ دنیا میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے کہ جس کا دار و مدار ظن پر نہ ہو۔ سب کا ظن ہی پر دار و مدار ہے اب اگر ظن مفید عمل اور موجب عمل اور عجت عمل نہ ہوگا تو نظام عالم تباہ ہو جائے گا۔ کیونکہ کسی کو کسی عمل کے حسن انجام یقین نہیں ہے۔ صرف ظن ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَوْ اتَّبَعَ الْمُتَّقُونَ آهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ (قد افلح۔ المؤمنون) یعنی اگر ان کی

رائے کے حق تابع ہو گیا۔ تو آسمان اور زمین اور جو اس میں ہیں سب تباہ ہو جائیں گے۔ اور حق ان کی رائے کے تابع ہوا تو نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

آیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ عالم کی بربادی کا سبب حق کا ان کی رائے کا تابع ہونا ہے۔ اور مشاہدہ سے یہ ثابت ہوا کہ عالم کی بربادی کا سبب ظن کا حجت نہ ہونا ہے۔ تو گویا ظن کا حجت نہ ہونا۔ حق کا ان کی رائے کے تابع ہونا ہے لہذا اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ظن حق ہے اور موجب بقائے عالم ہے۔ اور ان کی رائے کے تابع ہو کر یعنی ظن نہ حجت بن کر موجب فساد عالم ٹھیرا۔ غور کا مقام ہے۔

تم مجھے بتاؤ تو سہی کہ جہاں میں کونسا عمل یقین پر ہو رہا ہے۔ سب کام ظن ہی پر چل رہے ہیں۔ اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ اعمال شرع صرف ظن ہی پر ہیں۔ ہاں بے شک ایمان یقین پر ہے۔ بلکہ یقین ہی ہے۔ دیکھو ہر شخص جو کہ نیک کام کرتا ہے اس کی غایت یہ ہوتی ہے کہ عذاب سے رہائی ہو۔ جنت کی راحتیں اور ثواب حاصل ہو۔ تو بتاؤ کہ کسی شخص کو بھی یقین ہے کہ وہ عذاب جہنم سے بچ جائے گا اور جنت میں داخل ہو جائے گا۔ سب کو ظن ہی ہے۔



سب اس گمان اور ظن پر عمل کر رہے ہیں کہ شاید عذاب سے رہائی ہو جائے اور ثواب حاصل ہو جائے۔ سوائے انبیاء کے سب کو ظن ہی ظن ہے۔ اب اعمالِ شرعیہ کی مثالیں بیچئے۔

## اعمالِ شرعیہ کی مثالیں

نکاح کا مدار دو آدمیوں کی شہادت پر ہے۔ اور دو آدمیوں کی شہادت ظنی ہے۔ شریعت نے اس ظن کو حجت قرار دیا ہے اسی طرح زنا کی سزا کی شہادت چار آدمیوں کی ہے۔ چار آدمیوں کی شہادت ظنی ہے۔ شرع نے اتنی سخت سزا میں ظنی شہادت کو حجت قرار دیا۔ باپ کا باپ ہونا ظنی ہے۔ شرع نے اس کو حجت قرار دیا یعنی نسب ظنی ہے۔ اور احکام میراث اسی ظن پر ہیں۔ اسی طرح سجدہ عہ کے سامنے ہونا چاہیئے اور موضع سجدہ سے جو خط سیدھا کعبہ کو جائے وہ لنی ہے یقینی نہیں ہے۔ اسی طرح سحری اور افطار دونوں ظنی ہیں یہ میں معلوم کہ صبح وقت پر سحری کھائی گئی اور صبح وقت پر افطار کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ** ثلاثا المرسل۔ المبقوۃ یعنی دو مردوں کو گواہ بنا لو۔ اور دو مردوں کی شہادت ظنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حجت قرار دیا ہے۔

ذَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِبُرْهَانٍ مُّشَدَّدٍ  
 (مقدّم - انور) جو لوگ پارے عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار شاہ  
 نہیں لاتے۔ اور فرمایا "لَوْ لَا جَاءُ وَعَلَيْهِ بِأَرْبَعَةٍ مُّشَدَّدَةٍ" (مقدّم  
 انور) کیوں نہیں چار گواہ اس پر لے آتے۔ ان آیتوں میں چار گواہوں  
 کی گواہی کو سزا کے لئے حجت قرار دیا۔ حالانکہ چار گواہوں کی گواہی یقینی  
 نہیں بلکہ ظنی ہے۔ الغرض جتنے بھی اعمالِ صالحہ ہیں اکثر و بیشتر پر  
 قرآن نے ظن کو حجت رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لَتَعْلَمُوْا عَدَدَ  
 الْمَيْمِنِ وَالْحِسَابِ" (یعتذرون - یونس) تاکہ تم کو رساں اور  
 رسوں کی گنتی اور حساب معلوم ہو جائے۔ "مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا  
 بِالْحَقِّ" (یعتذرون - یونس) اللہ نے اس کو یعنی حساب کو ناحق نہیں بنایا  
 اور فرمایا "وَأَمْضَىٰ كَيْلَ الشَّيْءِ عَدَدًا" (تبارک انذی - المیزان) ہر چیز کو  
 سے ٹھیرا۔ اس سے عادت ظاہر ہے کہ حساب حق ہے۔ اور جب حساب حق  
 ہے تو وہ نئے کہ جس پر حساب، موقوف ہے وہ حق ہے۔ اور وہ علم ہند  
 کی ٹیکل ہے کہ اگر چار مقداریں متناسب ہیں یعنی پہلی مقدار کو  
 دوسری مقدار سے وہی نسبت ہے، دوسری کو تیسری سے جب تو  
 پہلی اور چوتھی کا حاصل برابر دوسری اور تیسری کے حاصل برابر  
 برابر ہوگا۔ تمام تو انیوں کا حساب ہونے کے لئے جمع اور تفریق کے کل کے کل ٹیکل

کی فرغ ہیں۔ ہم نے دوسری جگہ اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ علم حساب اشکال ہندسیہ کا نتیجہ ہے اور جب کہ علم حساب اشکال ہندسیہ پر موقوف ہے تو لا بد جس طرح حساب حق ہے بالکل جسد جو موقوفہ علیہ حساب ہے وہ بھی حق ہے۔ اور جب ہندسہ حق ہے تو لا بد جس شے پر ہندسہ موقوف ہے وہ بھی حق ہے اور وہ شے اصل موضوع ہے۔ یعنی دو نقطوں میں خط ما کہتے ہیں۔ خط کو بتنی دو رنگ چاہیں بڑھا سکتے ہیں کسی نقطے کو مرکز فرض کر کے بتنی دوری سے چاہیں دلایا بنا سکتے ہیں۔ یہ تین اصل موضوع ہیں ان پر تمام مقالات ہندسیہ موقوف ہیں۔ اور یہ تینوں یقینی ذریعہ ہیں۔ کیونکہ اگر یہ بدیہہ یقینی ہوتے تو علوم متعارف میں ان ذریعہ سے جو بدیہہ یقینی ہیں اور اگر یہ نظر یقینی ہوتے تو یہ ذریعہ اول ذریعہ اول طرف یہ بھی اشکال نظریہ میں شامل ہوتے اور اشکال نظریہ کی طرح ان کو جو ثابت کیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ نہ تو بارہ علوم متعارف میں ان کا شمار ہے۔ نہ کسی مقالہ کی کسی شکل میں ان کا بیان ہے۔ صرف علم ہندسہ کے حسن ظن سے ان کو تسلیم کر لیا ہے اور یہ ظنی ہیں۔ بلکہ ان ظن مجتہدہ نہ ہوتا تو اس ظن پر کتنی چیزیں موقوف ہوتیں۔ نہ کجبت نہ بوجہ نہ ہندسہ کی اشکال نہ جو ہندسہ کی اشکال

نے حساب کو حق کہا ہے تو لابد ہندسہ بھی حق ہوا۔ اور ہندسہ ان تین اصل موضوع پر موقوف ہے۔ لہذا یہ تینوں اصول موضوعہ بھی حق ہو گئے۔ اور یہ اصول موضوعہ ظنی ہیں۔ لہذا ظن حجت ہو گیا قرآن کی روشنی میں۔

پس اگر ظن حجت نہ ہو گا تو نظام عالم دنیوی اور دینی سب درہم برہم ہو جائے گا۔ لہذا ظن حجت عمل ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِشْرًا" (حجۃ - الحجرات) بیشتر ظنوں سے بچو۔ کیونکہ بعض ظن گناہ ہیں۔ اور فرمایا "إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ" (قال فما خطبكم - النجم) وہ صرف ظن اور خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتے ہیں۔ اور فرمایا "إِنَّهُمْ إِلَّا لَيُظُنُّونَ" (الم - البقرة) وہ صرف اُنکل ہی سے کام لیتے ہیں۔ اور فرمایا "إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا" (يبتدون - يونس) یعنی ظن حق سے بے نیاڑ نہیں کرتا اور اُنکل سے صحیح بات کچھ بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور اس کے علاوہ ظن کی مذمت میں بے شمار آیات ہیں۔ اس کا کیا جواب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ظن کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ایک ظن تو یقین کا مقابل ہے

جیسے کہتے ہیں ”یہ ظنی علم ہے“ ”یقینی علم ہے“۔ تو یہ ظن قسم علم ہے اور ایک ظن عمل ہے۔ یعنی عمل کی قسم ہے اور عملی ظن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سوئے ظن اور ایک حسن ظن۔ حسن ظن کی مثال

تَوَلَّآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (قذف لرحمہ اللہ) جب تم نے یہ سنا تھا تو مومن مردوں اور مومن

زوروں نے کیوں نہیں ظن کیا۔ اور سوئے ظن کی مثال ”اجتنبوا

بِئْرَاءَ مِنَ الظَّنِّ“ اکثر ظنوں سے بچو۔ یعنی سوئے ظن سے بچو۔ لہذا

عملی ظن کی دو قسمیں ہونگئیں۔ ایک ظن بمعنی ظن خیر۔ جس کا حکم ہے

ایک ظن بمعنی سوئے ظن۔ جس کی نہی ہے۔

ہم بس ظن کو بھت قرار دے رہے ہیں وہ زحمت ظن ہے

نہ سوئے ظن بلکہ وہ وہ ظن ہے جو یقین کا مقابل ہے اور قسم علم

ہے اور اس کے بھت ہونے کی اس آیت میں بھی دلالت موجود

ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا

مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (احمد)۔ الحسنات کے ایوان

والہذا بہت سے ظنوں سے بچو۔ کیونکہ بعض ظن گناہ ہیں۔ اس آیت

میں بعض ظن کو گناہ بتایا اور اکثر سے بچنے کو فرمایا۔ اور ظاہر بات

تھی کہ بعض گناہ ہیں بعض سے بچنے کو فرمایا۔ لیکن اکثر سے بچنے کو بولنا

فرمایا کہ اکثر خضوں کے جرما تب ہیں ان میں یہ بعض جو گناہ ہے کونسا ہے لہذا مراتب اکثر یہ سے بچو کیونکہ اصل میں تو بچنا بعض سے ہے جو گناہ ہے۔ اب ہو سکتا ہے کہ وہ بعض یہ ہوں یا وہ یا وہ۔ کیونکہ ظن ہے کہ وہ بعض جو اثم (گناہ) ہے یہ ہیں یا وہ ہیں۔ لہذا اگر ظن محبت نہ ہوتا اور صرف یقین محبت ہوتا تو صرف بعض ظن سے جو اثم تھا بچنے کو فرماتا اور اس کی وضاحت مثال سے ہو جائے گی مثلاً ظنوں کی تعداد سو ہے اس میں سے بعض گناہ ہیں۔ مثلاً دس تو فرمایا کہ ستر سے بچو۔ پچنا تو صرف دس سے تھا۔ ستر سے بچنے کو اس لئے فرمایا کہ یہ دس جو بچنے کے قابل ہیں ان ستر یعنی سات دہائیوں میں سے کونسا دہایا ہے۔ کیونکہ یہ دہایا ہر سات دہائیوں میں سے کوئی سا ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ پہلا دہایا ہو ممکن ہے دوسرا، تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا ساتواں، غرض کہ ہر دہایا ممکن ہے۔ جب ہر دہایا ممکن ہے تو ہر دہائے میں ظن ہو گیا تو یہ ظن محبت ہو گیا اس بات پر کہ بعض سے بچنے کی بجائے اکثر سے بچا جائے ورنہ تقاضا ہے یقین تو یہ تھا کہ جو اثم ہے صرف اسی سے بچا جائے۔ لیکن اثم ہونے کا یقین تو بعض میں ہی ہے اور ظن اکثر میں۔ یعنی اثم اور گناہ ہونے کا ظن اکثر میں ہے اور اللہ کے نزدیک چونکہ ظن محبت ہے اس لئے ظن کے محبت ہونے کی

بنا پر اس نے جہاں تک ظن کا اثر تھا سب کو یعنی اکثریت کو ممنوع قرار دے دیا۔ گویا آیت کا خلاصہ یہ ہوا۔ بعض ظن تو یقیناً اثم اور گناہ ہیں لیکن کثیر ظن اثم اور گناہ ظناً ہیں اور ظن محبت عمل ہے۔ لہذا اثم ظناً جو ظن اثم ہیں ان سے بچو کہ صرف یقینی ظن سے لہذا ظن محبت ہو گیا اور عقابہ میں جو ظن کی مذمت کی ہے وہ صحیح ہے۔ عقیدہ کی بنیاد یقین ہے ظن سے یقین نہیں ہوتا اس لئے ظن کو بُرا کہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ظن صرف موجب عمل ہے۔ موجب ایمان نہیں ہے۔ لہذا مسائل ایمانیہ میں ظن محبت نہیں ہوگا اور مسائل عملیہ میں ظن محبت ہوگا۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اگر ظن محبت عمل نہ ہوگا تو بیشتر آیات پر عمل ہی نہیں ہو سکے گا مثلاً قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (الیہ برد - الشوری) کہدے میں اس ہدایت پر تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا بجز محبت قرابت کے۔ اب اس محبت قرابت سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ تم آپس میں اپنے اپنے قرابتدار سے محبت کرو، یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ میرے قرابت دار سے محبت کرو۔ یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ مجھ سے بوجہ میری قرابت کے محبت کرو۔ اب اس آیت سے تین

مرادیں ہو سکتی ہیں اور اس کا یقین نہیں ہے کہ اللہ کی کوئی مراد ہے یا سب مراد ہیں۔ بہر حال ہر معنی ظنی ہیں اگر ظن حجت نہ ہو تو کتاب پر عمل نہ ہو سکے گا وَالْمُطَلَّفَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (سيقول۔ البقرہ) مطلقہ عورتوں کی عدت تین قرء ہے اور قرء حیض کو بھی کہتے ہیں۔ طہر کہ بھی کہتے ہیں۔ حیض و طہر برابر ایک پر قرء کی دلالت ظنی ہے۔ یہ یقین نہیں ہے کہ اللہ کی مراد کیا ہے۔ حیض ہے یا طہر ہے۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ (تَبَرَكُ الَّذِي الْحَاقَّةُ) اس روز تیرے رب نے عرش کو اپنے اوپر آٹھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اب یہاں عدو آٹھ کا ہے اور معدود ظنی ہے پتہ نہیں کون سے آٹھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اللہ کی کیا مراد ہے۔ آٹھ فرشتے مراد ہیں یا کوئی اور آٹھ مراد ہیں یا سات آسمان اور ایک زمین مراد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اکثر آیات کی دلالت ان آیات کے معنی پر ظنی ہے۔ اگر ظن حجت نہ ہوگا تو بیشتر آیات پر عمل ہی نہیں ہو سکے گا۔





## احادیث مسلمہ واجب العمل ہیں نہیں؟

سوال۔ کیا خبر واحد حجت ہے۔ یعنی موجب عمل ہے یا نہیں؟  
یعنی مجموعہ احادیث جو اس وقت بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود  
ہے۔ یہ احادیث حجت ہیں یا نہیں؟

جواب۔ ہاں خبر واحد حجت ہے اور موجب عمل ہے۔

ثبوت۔ اگر خبر واحد موجب عمل نہ ہوگی تو نظام عالم درہم برہم  
بدبائے گا۔ لیکن نظام عالم باقی ہے۔ قائم ہے۔ لہذا خبر واحد یعنی  
حدیث حجت ہے اور موجب عمل ہے اور حدیث پر عمل کرنا واجب  
پہلی بات۔ اب اس بات کا ثبوت کہ اگر خبر واحد حجت اور موجب  
عمل نہ ہوگی تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ ہے کہ انسان مدنی  
الطبع ہے یعنی اپنی زندگی باقی رکھنے میں دوسروں کا محتاج ہے  
اور اس احتیاج کو رفع کرنا اور دفع کرنا اس بات پر موقوف ہے  
کہ وہ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کا دوسروں پر انحصار کرے اور  
انہار کا طریقہ یعنی مافی الضمیر کا انہار پوری طرح صرف خیر اور

حکایت ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ تو گویا انسان کی زندگی خبر اور حکایت پر ہی موقوف ہے۔

خبر متواتر۔ خبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو خبر متواتر جو یقینی ہے۔ جیسے کہا جائے کہ قاہرہ دمشق مکہ وغیرہ یہ شہر ہیں تو جن لوگوں نے ان کو نہیں دیکھا ان کو بھی یہ خبر متواتر ان کے شہر ہونے کا ایسا ہی یقین ہے۔ جیسا کہ ان کے دیکھنے والوں کو ان کے شہر ہونے کا یقین ہے۔

خبر واحد۔ خبر کی دوسری قسم خبر غیر متواتر یعنی جو خبر متواتر نہیں ہے۔ اسی کو خبر واحد کہا جاتا ہے۔ اور ہماری مراد واحد کی خبر سے وہ خبر ہے۔ جو متواتر نہ ہو۔ بہر حال چونکہ انسان کی زندگی کا دار و مدار خبر پر ہے۔ اور خبر یا متواتر ہے یا غیر متواتر۔

خبر متواتر پر ہر عمل دشوار بلکہ تقریباً محال ہے۔ کیونکہ خبر متواتر اس خبر کو کہتے ہیں کہ اتنی کثیر جماعت کہ جس کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہو وہ واقعہ کو محسوس کرے یا مشاہدہ کرے پھر دوسروں کے سامنے اس طرح نقل کرے کہ اس کی قداد کم نہ ہونے پائے تو ایسی خبر کا تحقق انسان کے اعمال میں تقریباً محال ہے تو لایزال انسان کے عمل کرنے کے لئے صرف

غیر متواتر یعنی خبر واحد ہی موجب ہو سکتی ہے۔ لہذا اگر خبر واحد موجب عمل نہ ہوگی تو اعمال انسانی کا خاتمہ ہو جائے گا اور نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان عمل کرنے میں خبر کا محتاج ہے۔ اور خبر متواتر جو یقینی اور قطعی ہے۔ اس کا تحقق دشوار بلکہ تقریباً محال ہے تو لا بد خبر واحد جو غیر یقینی اور ظنی ہے وہی موجب عمل ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے ایک شخص کو منع کیا کہ آگے نہ بڑھنا دیوار گرنے والی ہے۔ اب اگر وہ کہے کہ تیری خبر تجھ اکیلے کی ہے یعنی خبر واحد ہے۔ اور خبر واحد ظنی ہے۔ اور میں تو یقین پر عمل کر دوں گا۔ اور یقین حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ دیوار کے گرنے کا مشاہدہ یا احساس جم غفیر اور ایسی کثیر جماعت نہ کرے جس کا جھوٹ پرستوخ ہونا عقلاً محال ہو۔ ایسی جماعت کثیرہ کا تحقق اس وقت محال اور نامکن ہے۔ لہذا یقین تو حاصل ہونے سے رہا اور اس نے منع کرنے والے کی خبر پر عمل کیا نہیں اور آگے بڑھ گیا اور دیوار کے پٹھے دب کر مر گیا۔ لہذا خبر واحد پر عمل نہ کرنا موجب ہلاکت ہو گیا۔

دوسری دلیل۔ فائدہ حاصل کرنے سے نقصان سے بچنا مقدم

ہے۔ یعنی خبر واحد اگر واقع میں نبی کا قول ہے تو اس پر عمل کر کے ترک عمل کے فدا سے بچنا ہے۔ اور اگر نبی کا قول نہیں ہے تو عمل کرنا بے فائدہ ہے۔ بہر حال عمل کرنے میں دقت مضر ہے۔

**تیسری دلیل**۔ جب غور و فکر کر کے انسان اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ خبر واحد حجت نہیں ہے۔ اور عمل کو واجب نہیں کرتی تو اب قصد اس بات کا کرے گا کہ خبر واحد پر عمل ترک کرے یعنی اب قصد ترک عمل کا ہوگا۔ اور قصد ترک عمل ہی عمل ہے تو اس عمل کا موجب وہم ہوگا۔ یعنی خبر واحد پر عمل تو ظن اور راجح کی بنیاد پر ہوتا اور یہ ترک عمل ظن اور راجح کے مقابل کی چیز یعنی وہم اور مرجح پر ہوا تو جب کہ عمل وہم جو ظن سے کمزور ہے اس پر روا ہو گیا تو ظن جو وہم سے بہت قوی ہے اس پر بدتر ہو نا چاہئے۔

**چوتھی دلیل**۔ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قطعی ہونا عمل کو واجب کر رہا ہے اور عمل کے قطعی وارث ہونے کو حکم الہی ہونا لازم ہے۔ تو قول رسول کے قطعی ہونے کو حکم الہی کا قطعی ہونا لازم ہے۔ اور حکم الہی کا قطعی ہونا قطعاً موجب عمل ہے۔

لہذا قولِ رسول جو ظنی ہے۔ قطعاً موجبِ عمل ہو گیا۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول جس کا قطعاً علم ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا قول ہے۔ اس قول پر قطعی عمل واجب ہے اور عمل کا قطعی واجب ہونا یہ بتا رہا ہے کہ یہ قطعی اللہ کا حکم ہے۔ تو قولِ رسول کو حکمِ الہی ہونا لازم ہو گیا۔ یعنی قولِ رسول ملزوم ہے اور حکمِ الہی ہونا لازم ہے۔ اور قولِ رسول کے ظنی ہونے کو حکمِ الہی کا ظنی ہونا لازم ہے۔ اور حکمِ الہی کے ظنی ہونے کو قطعاً واجب عمل لازم ہے۔ یعنی جب یہ علم ہو جائے کہ یہ اللہ کا حکم ہے ظناً۔ تو اس ظنی حکمِ الہی پر عمل واجب ہے قطعاً۔

پانچویں دلیل۔ رسول کا قطعی قول قطعی حکمِ الہی ہے اور قطعی واجب العمل ہے۔ اور رسول کا ظنی قول ظنی حکمِ الہی ہے۔ اور ظنی حکمِ الہی بھی قطعی حکمِ الہی کی طرح واجب العمل ہے۔ لہذا رسول کا ظنی قول یعنی خبر واحد قطعی واجب العمل ہو گیا۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل کا واجب ہونا حکمِ الہی پر موقوف ہے خواہ وہ حکمِ الہی قطعی ہو یا ظنی ہو جیسا کہ ظاہر قرآن پر عمل واجب ہے۔ اور بیشتر آیات کی دلالت اپنے معنی پر ظنی ہے لیکن عمل واجب ہے تو موجبِ عمل کی علت صرف حکمِ الہی ہونا مستحب

ہوتی۔ خواہ وہ حکم الہی قطعی طور پر معلوم ہو یا ظنی طور پر معلوم ہو ہر صورت میں قطعاً واجب العمل ہے۔ اور قرآن کی آیات کے ظنی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آیات کا جو مفہوم اور معنی مجتہد یا عالم نے سمجھے ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کی مراد نہ ہو۔ اگرچہ آیات کا ثبوت قطعی ہے لیکن ان کی دلالت اپنے معنی پر ظنی ہے۔ تو جس طرح قطعی الثبوت ظنی الدلالت حکم الہی موجب عمل ہو گیا۔ بالکل اسی طرح ظنی الثبوت قطعی الدلالت یعنی خبر واحد اور حدیث رسول موجب عمل ہو گیا اور کوئی فرق باقی نہ رہا۔

چھٹی دلیل۔ تمام صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ خبر واحد حجت ہے۔ اور اگر خبر واحد حجت نہ ہوتی تو صحابہ رضی اللہ عنہم خبر واحد پر عمل نہ کرتے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حدیث بیان کی:  
 الاثمة من القریش امام قریش میں سے ہوگا۔ نحن معاشر الانبیاء لا نراث ولا نورث۔ ہم انبیاء کی جماعت نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا ان کا وارث ہوتا۔ والانبیاء یدفنون حیث یموتون۔ اور انبیاء جہاں فوت ہوتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں۔ یہ تمام حدیثیں حضرت ابو بکرؓ نے بیان کیں اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بالاجماع ان احادیث کو قبول کر لیا۔ اور ان

کا یہ اجماع ہم تک بالذات منقول ہے۔  
ساتویں دلیل۔ قوارے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
ایک ایک کو احکام کی تیئنگ کے لئے بھیجا۔ اگر خبر واحد عجت نہوتی  
توتینغ کا فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ بلکہ گرا ہی حاصل ہوتی۔

آنھوں دلیل۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ  
لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرْنَا مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمُ طَائِفَةٌ  
لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ  
لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (يعتذرون - التوبة) سب مومنوں کو  
نہیں چاہیے کہ وہ (دین حاصل کرنے کے لئے رسول کی طرف) کو  
کوج کریں۔ پھر (جتنے فرقے اپنی اپنی بستیوں میں تھے ان میں سے)  
ہر فرقہ کے ایک ایک طائفہ نے کیوں نہیں کوج کیا۔ دین کسبھے  
کے لئے۔ تاکہ وہ (دین کو سمجھ کر) جب (اپنے) وطن لوٹتا تو اپنی  
قوم کو ڈراتا اور وہ یعنی اس کی قوم والے ڈرتے۔

فرقہ کا لفظ تین پر بولا جاتا ہے۔ یعنی کم از کم تین پر بولا جاتا  
ہے اللہ تعالیٰ نے واجب کیا کہ ہر فرقہ یعنی ہر تین میں سے ایک  
طائفہ نکلتا اور تین میں سے جو نکلیں گے وہ یا تو دو ہوں گے یا  
ایک ہوگا۔ تو طائفہ یا ایک ہے یا دو ہیں ہر حال میں طائفہ

کے ڈرانے یعنی اس طائفہ کے خبر دینے پر عمل لیا واجب کیا یعنی :-  
یہ طائفہ اپنے وطن کو لوٹ کر جانے اور اپنی قوم کو ڈرانے اور خبر دے تو  
اس کی قوم کو اس طائفہ کی خبر پر عمل کرنا واجب ہے۔ آیت کا حاصل یہ ہے  
کہ یہ طائفہ تفقہ فی الدین کے لئے کوچ کرے پھر تفقہ حاصل کر کے اپنے وطن  
جب لوٹے تو اپنی قوم کو ڈرانے یعنی خبر دے اور خبردار کر دے کہ اے قوم!  
رسول کی نافرمانی اور مخالفت سے ڈرو! اور اس کی قوم پر واجب ہے کہ وہ  
اس طائفہ کے ڈراوے کی خبر سن کر ڈرے اور اس طائفہ کی خبر پر عمل کرے  
چونکہ طائفہ ایک کو اور دو کر شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَإِنْ  
طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَبَا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا (الحجۃ - الحجرات)  
اگر مسلمانوں کے دو طائفے لڑیں تو ان میں صلح کراؤ اور صلح جس طرح دو  
بڑی جماعتوں کی لڑائی میں واجب ہے اسی طرح دو فردوں کی لڑائی  
میں بھی واجب ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ایک فرد بھی طائفہ ہے  
لہذا طائفہ کا اطلاق ایک اور دو پر بھی صحیح ہے اور طائفہ کے ذریعہ  
پر اور ڈرانے کی خبر پر جب اللہ تعالیٰ نے عمل واجب قرار دیا تو اس  
سے عداوت، ظاہر ہو گیا کہ قوم کے لئے خبر و حدیث مشرعات ہوتے ہیں یعنی  
اللہ نے واحد کی خبر، قوم کے لئے ہمت قرار دیا  
نویں دلیل۔ اعمال حرکات و سکنات کہتے ہیں اور حرکات و سکنات



لا محدود ہیں۔ یعنی کسی حد پر نہیں بھرتے۔ یعنی انسان بے شمار عمل کرتا ہے۔ نیز عمل حالات کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں اور عمل مختلف احوال میں مختلف احکام چاہتا ہے۔ لہذا احکام لا انتہائی ہیں۔ بشمار ہو گئے اور نصوص قرآنی جو موجب احکام ہیں وہ محدود ہیں۔ لہذا اگر صرف نصوص قرآنی پر عمل کیا جائے گا تو بیشتر اعمال بے احکام کے رہ جائیں گے۔ یعنی بہت سے ایسے اعمال ہوں گے کہ جن کی حرمت علت جواز اور عدم جواز کے لئے کوئی ثبوت قرآن سے نہیں مل سکیگا اور اس وقت انسان کی زندگی ان اعمال کی موجودگی میں بیکار اور لغو ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا **أَمْ خَسِبْتُمْ أَنْمَّا خَلَقْنَاكُمْ عِبَادًا** (تذالحم۔ انور) کیا تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار بنایا ہے۔ اب اگر حدیث پر عمل نہ ہوگا اور خبر واحد پر عمل نہ ہوگا تو انسان کی بیشتر عظمت عبث ہو جائیگی۔ لہذا حدیث پر عمل واجب اور ضروری ہے۔

دسویں دلیل۔ بھونی حدیث وضع کرنی حدیث کے عجزت ہونے کی جیسے یعنی جعلی سکتے ہیں وہاں جائیگا جبکہ تجسالی سکتے چالو ہو اور جبکہ اصلی سکتے چالو نہ ہو تو جعلی بنانا بالکل بے سود ہوگا۔ چونکہ حدیث کی حجیت چالو تھی اس لئے جعلی حدیث وضع کی گئی۔ اگر حدیث کی حجیت تمام مسلمانوں میں چالو نہ ہوتی تو فضاعین کو جعلی اور نقلی حدیث کے وضع کرنے سے کوئی فائدہ ہی نہ ہوتا۔

گیا رہوین دلیل۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى  
الْأَرْضِ يَتَّبِعُهُ يُتَّبَعُهُ قَالَ يَهُوسُفُ إِنَّ الْمَلَأَةَ يَا تَبْرُوتُ بِكَ لِيُقَاتِلُوكَ  
فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ (امن خلق۔ القصص) ایک شخص ٹہر کے پلے  
کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور کہا اسے موسیٰ اہل دربار تیرے قتل کرنے کا  
مشورہ کر رہے ہیں سو تو نکل جا۔ میں تیرا خیر خواہ ہوں۔ اگر واحد کی خبر قابل  
قبول اور موجب عمل دہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اس کی خبر سے باہر نہ جاتے  
اور اسی طرح جب عورت بلانے آئی تھی اور اس نے کہا تھا إِنَّ أُمَّيْزَةَ عَمْرُوكَ  
لِيَجْزِيَنَّكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا (امن خلق۔ القصص) میرا بپ تجھ کو بلاتا  
ہے تاکہ تجھ کو پانی پلانے کا بدلہ دیدے۔ اس ایک عورت کی خبر اگر قابل عمل  
نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ اس کے ساتھ نہ جاتے۔ پھر جب اس عورت کے پاپ  
کے پاس یہ پہنچے اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا تو اس عورت کا پاس  
یہ نہ کہتا کہ نکرہ کر تو ظالم لوگوں سے بچ نکلا۔ یعنی حضرت موسیٰ نے حضرت  
شعیب سے سارا واقعہ بیان کیا اور انھوں نے ان کی خبر سن کر تصدیق  
کی اور ان کو مطمئن کیا اور فرعون والوں کو ظالم قرار دیا تو اگر خبر واحد قابل  
عمل نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ جو ابھی نبی نہیں ہوئے تھے ان کی خبر کو حضرت  
شعیب قبول نہ کرتے۔ اور اسی طرح فرعون والوں میں سے جو مومن مرد اپنے  
ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا اس نے کہا کہ میری قوم میری پیروی کریں تم کو

بجلائى کا راستہ دکھلاتا ہوں۔ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُونِ  
 \* آخِذُوا بِحَبْلِ الْوَعْدِ (نہن اسانہ نہ من) اس ایک شخص کی اتباع  
 ہدایت ہے اگر اس کی اتباع اس کا قول قابل قبول نہ ہوتا تو کس طرح سیدھے  
 راستے کی ہدایت ہو سکتا تھا۔ پھر اس شخص نے ہما فستند کروون ما أقول لکم  
 (فمن باظلم المؤمن) عنقریب تم کو میرا کہنا اور میرا قول یاد آئے گا۔ (تم  
 میری بات یاد کرو گے) اگر اس کا قول حجت نہ ہوتا تو کیوں کر یاد آتا۔  
 اور اس کا قول حجت نہ ہوتا تو اس کے نہ ماننے سے آل فرعون کو عذاب  
 نہ گھیرتا اس سے معلوم ہو گیا کہ خبر واحد قابل قبول اور حجت ہے قرآن کی جیسے  
 بارہویں دلیل۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْبَيْتِ  
 رَجُلٌ شَيْخٌ (ومن یقنت۔ یکنس) شہر کے پرلے بحر سے ایک شخص  
 دوڑتا ہوا آیا۔ قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ اس نے ہمارے میری  
 قوم رسولوں کی پیروی کرو۔ اگر اس شخص کا قول اس کی قوم پر حجت نہ ہوتا  
 تو اس شخص کی نافرمانی پر اس کی قوم عذاب کی سختی نہ ہوتی اور عذاب کی  
 ایک ہی چنگھاڑ میں وہ جل بجھ کر رکھ نہ ہو جاتی۔ اس سے صاف  
 ظاہر ہو گیا کہ خبر واحد قرآن کی رو سے حجت ہے۔  
 تیرھویں دلیل۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ إِنْ جَاءَكُمْ قَوْمٌ  
 بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا (الحجرات) اگر تمہارے پاس فاسق خبر

لے کر آئے تو تحقیق کرو۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فاسق کی خبر قابل تحقیق ہے نہ قابل رد۔ یعنی اگر عاقل خبر لائے تو قبول کرو اور فاسق خبر لائے تو بلا تحقیق قبول نہ کرو۔ یعنی فاسق کی خبر بھی قابل رد نہیں ہے بلکہ قابل تحقیق ہے۔ لہذا عادل کی خبر بغیر تحقیق قابل قبول ہے قرآن کی رو سے۔

چودھویں دلیل۔ خبر واحد حجت نہیں ہے۔ یہ بات قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ خبر واحد حجت ہے۔ یہ بات قرآن سے ثابت ہے۔ حدیث سے ثابت ہے عقل سے ثابت ہے۔ اجماع سے ثابت ہے۔ تمام محدثین سے ثابت ہے۔ تمام مجتہدین سے ثابت ہے تمام ائمہ محققین سے ثابت ہے۔ اب بتاؤ کہ جو بات کسی ذریعہ سے ثابت نہیں ہے وہ قابل قبول ہے یا وہ بات جو ہر ذریعہ سے ثابت ہے۔ وہ قابل قبول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (سبحی الذی۔ بحالہ علیہ السلام)  
جس چیز کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔

لہذا یہ کہنا کہ خبر واحد حجت نہیں ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس کا کسی ذریعہ سے علم نہیں ہے۔ اس لئے اس کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے۔

# منکرینِ احادیث کے جوابات

یہ ثابت ہو چکا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول حجت ہے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی توں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کے خلاف ہو یعنی قرآن سے کسی چیز کا جواز نکلے اور نبی کے قول سے عدم جواز یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قرآن سے زائد ہو یعنی قرآن میں اختصار ہو اور نبی کے قول میں تفصیل ہو یا قرآن میں مذکور ہی نہ ہو صرف نبی کے قول میں مذکور ہو تو ایسی صورت میں نبی کا قول حجت ہے یا نہیں؟

جواب - ہر صورت میں نبی کا قول حجت ہے۔ نبی کا قول مستقل حجت ہے۔ غیر مشروط حجت ہے۔ نبی کے قول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ قرآن کے مطابق ہو تب تو حجت ہے

اور مطابق نہ ہو تو حجت نہ رہے یہ شدتاً غیر نبی کے لئے ہے کہ اگر غیر نبی کا قول قرآن کے مطابق ہے تو بے شک ہر غیر نبی کا قول بھی حجت ہے۔ اگر مطابق نہیں ہے تو ہر غیر نبی کا قول حجت نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح قرآن کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہماری عقل کے مطابق ہو تو حجت ہو اور ہماری عقل کے مطابق نہ ہو تو حجت نہ ہو۔ اسی طرح نبی کے قول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ قرآن کے مطابق ہو تو حجت ہو اور قرآن کے مطابق نہ ہو تو حجت نہ ہو۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن کا حجت ہونا اس بنا پر ہے کہ وہ من جانب اللہ ہے۔ صرف من جانب اللہ ہونا قرآن کے حجت ہونے کی وجہ ہے۔ بالکل اسی طرح نبی من جانب اللہ ہے۔ کیونکہ اس کی تصدیق معجزہ کرتا ہے۔ اور معجزہ من جانب اللہ ہوتا ہے۔ لہذا نبی اور نبی کا قول بھی معجزہ کے بعد من جانب اللہ ہو گیا۔ اور من جانب اللہ ہونا ہی حجت ہے۔ لہذا نبی کا قول اور نبی مستقل حجت ہے۔

اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اور قول نبی من جانب اللہ ہے۔ اور وہ شے جو من جانب اللہ ہے قابل قبول

اور حجت عمل ہے۔ لہذا نبی اور قول نبی حجت عمل ہے۔ نبی کا قول قول الہی ہے۔ اور من جانب اللہ ہے اس آیت سے بھی ثابت ہے۔ "قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ" (يعتذرون۔ یونس) کہہ دے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی طرف سے تبدیل کر دوں میں تو صرف وحی کا پیرو ہوں۔ صاف ظاہر ہو گیا کہ نبی کا قول وحی ہے۔ قول الہی ہے۔ من جانب اللہ ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ قرآن من جانب اللہ ہونے کی حیثیت سے حجت ہے۔ نہ کہ قرآن اور کتاب ہونے کی حیثیت سے یہ ہے کہ متشابہات قرآن ہیں اور حجت نہیں ہیں۔ متشابہات پر عمل کرنے کو زنج سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا "كَمَا مَا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَنْجٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ" (تلك الرسل۔ آل عمران) جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ غرضیکہ قرآن کا وہ حصہ جو متشابہات ہیں۔ باوجود قرآن ہونے کے حجت عمل نہیں ہے۔ اور قرآن کا حجت ہونا صرف من جانب اللہ ہونے کی حیثیت سے ہے۔ لہذا علت حجت من اللہ ہونا ہے

اور فرمایا وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ  
وَحْيُهُ (قال الم - طه) قرآن کو جب تک اس کے متعلق پوری  
وحی تمہارے پاس نہ آجائے جلدی نہ بیان کرو۔ یعنی خالی قرآن  
نازل ہوتے ہی مت بیان کرو۔ جب تک اس قرآن کے متعلق  
تمام وحی تم پر نازل نہ ہو جائے۔ یہ وہی وحی ہے جو غیر قرآن  
ہے۔ قرآن کی تفصیل او۔ اس کے متعلقات اس وحی کے  
فدیے بتائے جاتے ہیں اور اسی وحی میں یہ بتایا جاتا ہے  
کہ یہ قرآن محکم ہے اور حجت ہے۔ اور یہ قرآن متشابہ ہے  
اور حجت نہیں ہے۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہو گیا کہ  
نبی من جانب اللہ ہے اور نبی کا قول من جانب اللہ ہے۔  
لہذا یہ دونوں مستقل حجتیں ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ متشابہ  
من جانب اللہ ہے۔ اور من جانب اللہ ہونا بقول تہلکے  
قابل قبول اور حجت عمل ہے۔ تو چاہیے کہ متشابہ بھی قابل  
قبول اور حجت عمل ہو۔ اس کا حل یہ ہے کہ متشابہ شاملی  
قبول اور قابل ایمان ضرور ہے۔ لیکن قابل عمل نہیں ہے  
دوسری آیت نے متشابہات پر عمل کرنے کی ممانعت  
کر دی ہے۔ اور وہ یہ آیت ہے : فَأَمَّا الَّذِينَ فِي



كَلُوا مِنْهُمْ زَيْعًا فَيَقْبَعُونَ مَا نَسَبَآءَ مِنْهُ (تلك الرسل -  
 المؤمنون) جن لوگوں کے دلوں میں کچی ہے وہ اس کتاب کے  
 مشابہات پر عمل کرتے ہیں۔ اس آیت کی بنا پر مشابہات  
 ناقابل عمل ہو گئے۔

یہی یہ بات کہ قول رسول قرآن کے خلاف ہو تو وہ بھی حجت  
 ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہے - كَتَبَ عَلَيْنِكُمْ  
 إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ  
 لِلْوَالِدَيْنِ (سيقول - البقرة) تمہارے اوپر والدین کے  
 لئے وصیت فرض ہے۔ اگر کسی نے مال چھوڑا ہے۔ جب کہ  
 اسے موت آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
 "لَا وَصِيَّةَ لِلْوَارِثِ" وارث کے لئے وصیت نہیں  
 ہے۔ اور تواتر سے ثابت ہے کہ عمل اسی حدیث پر رہا ہے  
 یعنی وارث کے لئے وصیت ناجائز قرار دی گئی۔ حدیث  
 نے قرآن کی آیت کو منسوخ کر دیا اور قول رسول قرآن کی  
 آیت کے خلاف حجت اور موجب عمل رہا۔ اور اس حدیث  
 کا موجب عمل اور حجت ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ نیز  
 اگر دینی مسائل کا ثبوت قرآن سے نہیں حدیث سے ہے۔

لہذا قول رسول حجت مستقلہ اور غیر مشروط حجت ہے۔  
 علیٰ ہذا اجماع بھی غیر مشروط حجت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ  
 اَوَّلِي الْاَمْرِ كَمَا عَطَفَ رَسُولٌ عَلَيْهِ. وَ اَطِيعُوا الرَّسُولَ  
 وَ اَوَّلِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (والمحصنت - النساء)

اب اگر کہا جائے کہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ رسول کا کوئی  
 قول قرآن کے خلاف ہو اور رسول کا قول قرآن کو نسخ کر دے  
 تو پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ رسول کا قول اس کا اپنا قول نہیں  
 ہوتا۔ وہ درحقیقت خدا کا قول ہوتا ہے۔ جس طرح قرآن خدا کا  
 قول ہے۔ اسی طرح رسول کا قول بھی خدا کا قول ہے۔ اور جس  
 طرح قرآن کی ایک آیت قرآن کی دوسری آیت کو منسوخ کر دیتی  
 ہے۔ اسی طرح خدا کا ایک قول یعنی قول رسول دوسرے قول  
 یعنی قرآن کو منسوخ کر دیتا ہے۔ استتواب کا باعث صرف یہ  
 ہے کہ رسول کے قول کو رسول کا قول سمجھا جا رہا ہے۔ رسول  
 کے قول کو بشر کا قول سمجھا جا رہا ہے۔ یاد رکھو رسول کا قول  
 خدا ہی کا قول ہے۔ "مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا  
 وَحْيٌ يُوحَىٰ (قال فما - الضم) وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا  
 اس کا بولنا صرف وہ وحی ہے جو اس پر کی گئی ہے۔ اس آیت

سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کا ہر قول وحی ہے۔ اس کی وفاسات  
 یوں بھی پرکھتی ہے کہ نبی کا یا تو ہر قول وحی ہے یا کوئی قول  
 وحی نہیں ہے۔ یا بعض قول وحی ہیں اور بعض قول وحی نہیں  
 ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبی کا کوئی بھی قول وحی نہیں ہے تو  
 مشروع مسئلہ میں ہم نے اس خیال کو باطل کر دیا ہے۔ اور یہ  
 ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کے علاوہ نبی پر وحی ہوئی۔ لہذا یہ  
 کہنا کہ نبی کا کوئی قول وحی نہیں، قطعی غلط ہے۔ اب دوسری صورت  
 نبی کے بعض قول وحی ہیں اور بعض قول وحی نہیں ہیں۔ تو یہ  
 بھی باطل ہے۔ اس لئے کہ بعض اقوال کا وحی ہونا اور بعض  
 کا وحی نہ ہونا تخصیص یا تخصیص ہے۔ یہ محال اور باطل ہے  
 بعض اقوال کا وحی ہونا آخر کس قول سے معلوم ہوا۔ اگر نبی  
 کے ایسے قول سے معلوم ہوا جو وحی ہے تو یہ قول انہی بعض میں  
 شامل ہے اگر ایسے قول سے معلوم ہوا جو وحی نہیں ہے۔ تو  
 نبی کا ایسا قول جو وحی نہیں ہے۔ ایسے قول پر حجت ہو گیا  
 جو وحی ہے۔ اور تم غیر وحی کو حجت ہی نہیں مانتے۔ لہذا یہ  
 شق بھی باطل ہو گئی۔ اور جب دونوں شقیں باطل ہو گئیں یعنی  
 نبی کا کوئی قول وحی نہیں ہے۔ اور یہ بھی باطل ہو گیا کہ نبی

کے بعض قول وحی ہیں اور بعض قول وحی نہیں ہیں۔ تو  
 علامہ یہ تیسری شق ثابت ہوگئی کہ نبی کا ہر قول وحی ہے اور  
 جب ہر قول وحی ہے تو نبی کا ہر قول حجت ہے۔ اور قابل قبول  
 ہے۔ بلکہ کیا کہتے ہو۔ جب نبی نے پہلی بار کہا میں اللہ کا  
 رسول ہوں میرا کہنا مانو اور ابھی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ یا  
 نازل ہوئی تو ایک دو آیتیں جس میں نبی کی پیروی کا ذکر نہیں  
 ہے۔ اس وقت اس کا قول ماننے کے قابل ہے یا نہیں؟ اگر  
 کہو کہ ماننے کے قابل نہیں ہے تو قطعی کافر ہو گئے۔ اور اگر کہو  
 کہ ماننے کے قابل ہے تو قطعاً نبی کا قول مطلقاً حجت ہو گیا،  
 قطع نظر کتاب کے۔ اگر نبی کا قول بغیر کتاب کے حجت نہ تھا  
 تو گو یا فرعون کو بے حجت عذاب دیا گیا۔ حالانکہ ارشاد باری  
 تعالیٰ ہے۔ "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا"  
 (سبحان الذی۔ بنی اسرائیل) ہم جب تک رسول نہیں  
 بھیج لیتے اس وقت تک عذاب نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہا کہ  
 ہم جب تک کتاب نہیں بھیج لیتے اس وقت تک عذاب  
 نہیں کرتے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ نبی کا قول کتاب سے  
 قطع نظر کر کے حجت ہے۔

سوال - نبی کی طرف بے حیائی کی نسبت، جھوٹ کی نسبت غیر معقولیت کی نسبت، انہی واقفیت کی نسبت جن احادیث سے ظاہر ہو۔ ان احادیث کو ان تقاضوں کی بنا پر حدیث رسول سے خارج کر دینا چاہئے، جیسا کہ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف میں ضل کیا کرتے تھے اور جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تین جھوٹ بولے اور جیسا کہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کے تھپڑ مارا اور جیسا کہ کعبور کے بارے میں حضور نے فرمایا کہ زیادہ پھل آئے گا۔ اور زیادہ پھل نہیں آیا۔ ان احادیث سے بے حیائی، جھوٹ، نامعقولیت اور ناواقفیت نبی کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

جواب - محض ان نسبتوں سے حدیث ناقابل قبول نہیں ہوتی۔ مثلاً بے حیائی کی نسبت کی گئی ہے وہ محض نسبت کرنے والے کا خیال ہے۔ میاں بیوی کی برہنگی سے اگر بچائی مقصود ہو تو نظام نسل باطل ہو جائے گا۔ بے حیائی وہ ہے جسے نبی بے حیائی بتائے۔ نبی نے کہیں میاں

۹۰

ہوی کے غسل کو بے حیائی نہیں بتایا۔ نہ کتاب اللہ نے اس  
 فعل کو بے حیائی بتایا۔ اور اگر اس قسم کی باتوں کو بے حیائی  
 سے تعبیر کیا جائے گا تو اللہ نے جو کواعب کا لفظ عورتوں  
 کی تعریف میں فرمایا ہے۔ یہ بے حیائی ہوگی۔ کواعب کواعب  
 کی جمع ہے اور کواعب اس عورت کو کہتے ہیں جس کے پستان  
 ابھرے ہوئے ہوں۔ اگر عورت کے پستان کی تعریف بھائی  
 ہے تو اس کو بھی قرآن سے طامع کر دینا چاہیے اور اگر  
 بے حیائی نہیں ہے۔ تو عورت مرد یعنی میاں ہوی کا  
 باہم غسل بھی بے حیائی نہیں ہے۔

ابراہیم خلیل اللہ کی طرف جو جھوٹ کی نسبت ہے  
 اس نسبت سے بھی حدیث کو حدیث ہونے سے خارج نہیں  
 کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر اس نسبت سے حدیث کو خارج کیا  
 جائے گا۔ تو قرآن کو بھی خارج کیا جائے گا۔

لَوْلَا تَجَعَلُ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَحِبِّهِ (روما بری)  
 یوسف (یوسف) نے اپنے بھائی کے سلمان میں پانی پینے  
 کا برتن رکھ دیا اور پھر یہ کہوا دیا کہ تم چور ہو۔ ظاہر میں یہ  
 فعل جھوٹ سے بھی بدتر ہے۔ اور فرمایا: كَذَّبَ لَكَ

كَيْدًا لِيُؤْمَفَتَا (دما اپنی - یوسف) ہم نے یوسف کو یہ تدبیر  
بگھائی۔ بہر حال قرآن میں یہ نقص نبی کی طرف منسوب ہے۔  
تو چاہیے کہ اس آیت کو قرآن سے نکال دیا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لکھ الموت کے تھپڑ  
مارا۔ یہ بھی خلافت عقل اور غیر منقول نہیں ہے کہ جب انسان  
کی فرشتہ سے ہکلائی ماننی جو بظاہر غیر منقول ہے تو پھر ہاتھ  
پائی ماننے میں کیا غیر معقولیت ہے۔ دووں ایک ہی وجہ  
کی باتیں ہیں۔ یہی جو شخص کسی سے بات چیت کر سکتا ہے  
وہ اس کے تھپڑ بھی مار سکتا ہے۔

نیرا اللہ نے فرمایا۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّمْ  
تَشْعُرُوا (سبقرۃ - البقرۃ) جو لوگ اللہ کی راہ میں  
قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔  
لیکن تم کو شعور نہیں۔ شہید کو زندہ کہنا عقل ہی کے خلاف  
نہیں بلکہ حس کے بھی خلاف ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے  
ان کو زندہ کہا اور مزید تاکید کر دی کہ تم بے حس ہو  
بے شعور ہو۔ تم کو پتہ نہیں۔ شہید کی زندگی قطعی عقل میں

نہیں آتی۔ تو اگر حدیث کا خلاف عقل ہونا حدیث کو خارج کر دیتا ہے۔ تو قرآن کا خلاف عقل ہونا قرآن کو خارج کر دیتا ہے۔ یعنی جو اعتراض حدیث پر ہے بالکل وہی اعتراض قرآن پر ہے۔ اور جس طرح قرآن پر اعتراض قرآن کو قرآن ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ اسی طرح حدیث پر اعتراض حدیث کو حدیث ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ اور کعبور کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا ویسا نہیں ہوا تو یہ بالکل قرآن کے مطابق ہے۔

”وَلَا تَقُولَنَّ لِيْ شَيْءٍ اِنِّيْ كَانِعٌ بِذٰلِكَ عَدُوًّا“

(مجان الذی۔ لکھتا) اور کسی کے کام کے بارے میں یہ نہ کہا کرو کہ کل اس کو کروں گا جیسا روح اور ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے سوال کے موقع پر حضور نے کہدیا تھا کہ کل جو اب دے دوں گا۔ اور پھر کل جو اب نہیں دیا۔ اس آیت سے وہی بات ظاہر ہو رہی ہے جو حدیث سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اور جس طرح یہاں پر یہ بات نبوت کے منافی نہیں ہے۔ اسی طرح وہاں بھی نبوت کے منافی نہیں ہے۔ اس سارے بیان کا حاصل یہ ہے کہ حدیث پر جتنے اعتراضات ہیں ایسی اہمیت کے اعتراضات قرآن پر وارد ہوتے ہیں۔ تو



جس طرح قرآن کو قرآن ہونے سے ان اعتراضات کی بنا پر خارج نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ان اعتراضات کی بنا پر حدیث کو حدیث ہونے سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ تم کہتے ہو حدیث میں یہ بات ہے۔ اس بات کی وجہ سے ہم نہیں مانتے۔ ہم کہتے ہیں یہی بات قرآن کی آیت میں بھی ہے لہذا چاہیے کہ اس کو بھی نہ مانا اور یہ بیان تمام اعتراضات حدیث کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔

حدیث کو اس دقت نہیں مانا جائے گا۔ جب خبر واحدہ کو قبول کرنے کے شرائط منقود ہو جائیں۔ قرآن کو اس وقت نہیں مانا جائے گا۔ جب خبر متواتر کے شرائط منقود ہو جائیں۔ خبر کے صحیح ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ فی نفسہ ستمن ہو۔ اچھی ہو۔ معقول ہو۔ بلکہ خبر کے صحیح ہونے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ جس کی طرف سے خبر دی جا رہی ہے اس تک اسے ثابت کر دیا جائے۔ خبر کی ذمہ داری قائل پر ہے جو شخص نقل کر رہا ہے اس کی ذمہ داری صرف نقل کی صحت پر ہے۔ اور نقل کی صحت پر بارہ سو سالہ اجماع ہا کمل کافی اور دانی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک بات فی نفسہ

ہے۔ اپنی ہے۔ واقعہ کے مطابق ہے۔ حق ہے لیکن جس شخص کی طرف سے اس کو نقل کیا جا رہا ہے۔ درحقیقت اس کا قول نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بات ہماری عقل میں معقول ہو اور قائل کا قول نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بات ہماری عقل میں نہ آئے اور وہ قائل کا قول ہو تو یہ کہنا کہ جو حدیث قرآن کے مطابق ہے اسے مانیں گے اور جو قرآن کے مطابق نہیں ہے اسے نہیں مانیں گے۔ غلط ہے ہو سکتا ہے کہ جو حدیث قرآن کے مطابق ہے۔ وہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ جو حدیث قرآن میں مذکور نہ ہو وہ قول رسول ہو۔

سوال۔ جب کہ یہ ثابت ہو چکا کہ قول رسول جھب ہے اور احادیث شرفاً جعت ہیں اور دین یا دین کا جو ہیں تو پھر بدل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرآن کو لکھو اگر قوم کو دے دیا اسی طرح احادیث کے مجرمہ کو بھی لکھو اگر دینا چاہئے تھا۔ لکھو اگر کیوں نہیں دیا؟

جواب۔ احادیث کے مجرمہ کو اس لئے نہیں لکھو اگر وہ پاک احادیث کا مجرمہ حسی غیر کتاب ہے بکسی زمانے کے جی نے دی غیر کتاب

کو کھنکھ نہیں دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی۔  
 وَأَوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ نوح (وہا من ہابہ ہود) اور اس وحی کے مشق  
 تمام واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا  
 أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا (وَمَا مِنْ هَابَه هود)  
 تو اور تیری قوم اس سے پہلے ان واقعات کو نہیں جانتی تھی نبی  
 کی قوم سارا عالم ہے۔ اور جب کہ سارا عالم حضرت نوح والی  
 وحی سے ناواقف ہے تو ضرور بالضرور وہ جہاں جو پیر کتاب  
 تھیں وہ لکھی نہیں گئیں۔ اگر لکھی جاتیں تو یہود یا نصاریٰ کے  
 کوئی نہ کوئی قوم ان لکھی ہوئی وحیوں پر مطلع ہوتی۔ اس کے  
 بعد میں کہتا ہوں کہ احادیث میں دیا دہ و اعمال کا ذکر ہے  
 اعمال ایسی چیزیں کہ وہ پڑھنے پڑھانے سے زیادہ نفع  
 نہیں رکھتے۔ اعمال تو کرنے کی چیزیں۔ اس لئے عمل کو  
 نہیں لکھوایا بلکہ عمل کی پیکٹس (مشق) کرا دی۔ عمل کو یاد  
 کرانا یا پڑھوانا لکھوانا مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ عمل کو تو کرانا مقصود  
 ہوتا ہے۔ اس لئے حدیث پر عمل کرایا اور اس کی مشق کرا دی  
 فرمایا۔ "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي" جس طرح  
 میں نماز پڑھتا ہوں اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔ یعنی عمل کی

مشق کرائی۔ یہ نہیں کہا کہ صرف اس حدیث کو یاد کر کے لکھو لیکن بعد میں زمانہ ایسا آیا کہ بد عملی بڑھی تو نصیحت کی باتیں جن لوگوں کو یاد تھیں انہوں نے لکھ لیں تاکہ نصاب مفقود نہ ہو جائیں۔ اور قرآن میں قصص اولین اور جملہ عقائد ہیں وہ یاد نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے اُن کو لکھنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو لکھوا کر دیا تو یہ لکھ کر دینے کا حکم کہیں قرآن میں نہیں ہے۔ جہاں ہے اَنْتَلُ مَا اَوْحِيَ۔ پڑھ جو وحی کی گئی۔ **وَ اِذَا كُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ** جب قرآن پڑھا جائے تو سنو۔ کہیں یہ نہیں کہ قرآن کو لکھو پھر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو لکھوا کر دیا یہ کس وجہ سے دیا۔ یا تو وحی کے ذریعہ ان کو حکم ہوا کہ قرآن لکھو ادو۔ اگر ایسا ہے تو وحی غیر تَبٰرٰن اور وحی غیر متلو ثابت ہو گئی۔ اور اگر بغیر وحی کے کیا تو ان کی رائے حجت ہو گئی۔ لہذا ان کی رائے سے قرآن لکھا گیا اور اپنی کی رائے سے حدیث نہیں لکھی گئی۔ دونوں جگہ ایک ہی چیز کا فرما ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ وحی ہوئی کہ قرآن لکھو ادو اسی

طرح یہ وہی ہوئی کہ حدیث نہ لکھو او۔ اور اگر ذاتی رائے یہ ہوئی کہ قرآن لکھو او تو بیشک ذاتی رائے یہ بھی ہوئی کہ حدیث نہ لکھو او۔

سوال۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تَخُونُ تَزَلْنَا الذِّكْرَ دَرَاتًا لَهَا لِحَافِظُونَ" (ربہا۔ الحجر) ہم نے نصیحت، نازل کی اور ہم ہی اس کے نگہبان اور محافظ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن محفوظ ہے اور حدیث محفوظ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے بس وہی چیز دین ہے اور وہ چیز محفوظ ہے اور حدیث چونکہ محفوظ نہیں ہے اس لئے نہ خدا اس کا محافظ ہے نہ ذکر ہے دین۔

جواب۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر یعنی نصیحت کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور اس کا وعدہ سچا ہے وہ ذکر اور نصیحت کا محافظ ہے اور ذکر اور نصیحت قرآن اور حدیث دونوں میں ہے۔ لہذا دونوں محفوظ ہیں۔ قرآن بھی محفوظ ہے اور حدیث بھی محفوظ ہے۔ بلکہ قرآن کے حافظ تو ایک فی صدی مشکل

سے میں گے اور حدیث کے معانی کے حافظ ساری قوم  
ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سواک سنت ہے۔ عید کے  
دن روزہ حرام ہے۔ زنا کی سزا رجم ہے۔ صبح کی نماز  
کی دو سنتیں ہیں۔ ظہر کی چھ سنتیں ہیں۔ قبر میں نگیسین  
سے سوال جواب ہوگا۔ عذاب قبر ثواب قبر حق ہے۔ غرضیکہ  
معاملات اور عبادات کے جو طریقے حدیث نے بتائے ہیں۔  
وہ ہر جاہل اور عالم کے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ اللہ بکا وعدہ  
سچا ہے۔ اس نے دین کو محفوظ کر دیا ہے۔ ہر شخص حافظ سنت  
ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ حدیث غیر محفوظ ہے بالکل غلط ہے۔  
حدیث نملاً محفوظ ہے۔ قرآن تلوٰتاً محفوظ ہے۔



# منکرِ حدیث کے ترجمہ کی غلطی

سوال۔ منکرینِ حدیث نے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں  
 مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ  
 وَالتَّبْوَةَ لَخَرَّ لَيُّونَ لَللَّتَّابِينَ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن  
 دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ (تلك الرسل بالهوا)  
 کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ کسی انسان کو اس کا حق نہیں  
 پہنچتا کہ اللہ اس کو کتاب اور حکومت اور نبوت دے اور  
 وہ لوگوں سے ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری حکومت اختیار کرو۔  
 اس سے یہ کہنا چاہیے کہ تم سب ربانی بن جاؤ۔ سوال یہ ہے  
 کہ یہ معنی صحیح ہیں یا غلط ہیں؟  
 جواب۔ یہ معنی غلط ہیں۔ یعنی حکم کے معنی حکومت

کے اور کونو اعبا ذاتی کے معنی میری محکومی اختیار کرو  
کے غلط ہیں۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں حکم کے معنی فہم کے  
ہیں۔ اور نیز اگر حکم کے معنی حکومت کے ہوں گے تو آیت  
اَتَيْنَاكَ الْحُكْمَ صَبِيًّا (قال المر۔ مریجا) میں حکم کے معنی  
اگر حکومت کے ہوں گے تو آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم  
نے یعنی کو بچپن میں حکومت دی تھی اور یہ بالکل غلط ہے۔

اور جن بندوں کو حکم اور نبوت ملی ہے۔ ان میں اکثر صاحب  
حکم اور نبوت کو حکومت نہیں ملی۔ اگر حکم کے معنی حکومت کے  
ہوں تو ہر وہ شخص جس کو حکم و نبوت ملے وہ صاحب حکومت  
ہو حالانکہ بیشتر انبیاء صاحب حکومت نہ تھے۔ اس کا حاصل

یہ ہے کہ ہر نبی صاحب حکم ہے اور صاحب حکومت نہیں ہے  
ابا اگر حکم اور حکومت ایک ہی چیز ہو تو ہر نبی صاحب حکومت  
ہو حالانکہ ہر نبی صاحب حکومت نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر  
انبیاء کو تکلیفیں دی گئیں اور قتل بھی کئے گئے۔ اگر صاحب  
حکومت ہوتے تو تکلیف زدہ نہ ہوتے اور نہ مقتول ہوتے۔

ہذا یہاں حکم کے معنی حکومت کے نہیں ہیں۔



دوسری فلفلی اس ترجمہ میں یہ ہے کہ كُونُوا عِبَادًا لِّیْ  
 کے معنی میری عکومی اختیار کرو کے نہیں ہیں۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ  
 میرے بندے ہو جاؤ۔ عباد کے معنی بندے کے ہیں۔ عباد کے  
 معنی محکوم کے نہیں ہیں۔ اس لئے کہ عباد کا لفظ جس طرح  
 انسانوں کے لئے آیا ہے۔ اسی طرح قرآن شریف میں غیر  
 انسانوں کے لئے بھی آیا ہے۔ جیسے: ”إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ  
 مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَلُكُمْ“ (قال الملا۔ الاعراب) بیشک  
 اللہ کو چھوڑ کر تم جن کو پکارتے ہو وہ تم ہی جیسے بندے ہیں۔  
 یہاں بتوں کو اللہ تعالیٰ نے عباد سے تعبیر کیا ہے۔ فرشتوں  
 کے متعلق فرمایا۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ (اقترب۔ الانبیاء)  
 بلکہ وہ معزز بندے ہیں۔ اَلْحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
 اَنْ يَّتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي اَوْلِيَاءَ (قال المومنین)  
 کیا پھر بھی کافر اس خیال میں ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں  
 کو اپنا حمایتی بنائیں۔ اور جن بندوں کو ان کافروں نے حمایتی  
 اور اویا اپنا بنایا ہے۔ وہ بت ہیں، شمس و کواکب ہیں، جن  
 ہیں۔ مانکہ ہیں۔ مسیح علیہ السلام ہیں۔ غرضیکہ عباد کا لفظ مخلوق  
 کے لئے مستعمل ہے۔ اور جگہ جگہ قرآن میں عباد کا لفظ مخلوق

ہی کے معنی میں آیا ہے۔ محکوم کے معنی میں نہیں آیا۔ اور ظاہر ہے کہ مخلوق کی ان مشرکوں نے عبادت تو کی ہے مگر محکومی اور اطاعت نہیں کی ہے۔ اس لئے کہ نہ طائفہ نے نہ جنوں نے نہ شمس و کواکب نے نہ مسیح نے نہ بتوں نے ان کو حکم دیا ہے کہ ہماری عبادت کرو۔ یعنی یہ بغیر ان کے حکم کے ان کے عبادت کر رہے ہیں۔ تو یہ مشرک ان کی عبادت تو کر رہے ہیں مگر ان کی اطاعت اور محکومی نہیں کر رہے ہیں۔ اس ت صاف ظاہر ہو گیا کہ عبادت اور چیز ہے۔ اطاعت اور محکومی اور چیز ہے تو یہ معبود ان باطل معبود تو ہیں لیکن مطاع اور حاکم نہیں ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اصنام اور جن وغیرہ معبود ہیں اور اصنام و جن وغیرہ مطاع نہیں ہیں۔ نتیجہ صاف برآمد ہوا کہ معبود مطاع نہیں ہے۔ اور جب معبود مطاع نہیں ہے تو عبادت اطاعت نہیں رہی۔ اور جب عبادت اطاعت نہیں تو عباد مطیع، فرمانبردار، محکوم نہ ہوئے۔ تو کَوُّتُوْا عِبَادِی کے یہ معنی کہ میرے فرمانبردار مطیع، محکوم ہو جاؤ فلفط ہوئے۔ اور یہی ہم کو ثابت کرنا تھا۔

اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ نبی یہ نہیں کہہ سکتا کہ

میں تمہارا خالق ہوں تم میری مخلوق ہو۔ میں تمہارا مہبود ہوں تم میرے عابد ہو اور میری پوجا کرو اور میری پرستش کرو۔ بلکہ یہ کہتے تھے کہ رب پرست ہو جاؤ ربانی ہو جاؤ۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اطاعت کے معنی امتثال امر کے ہیں۔ یعنی حکم کی تعمیل اور امر و حکم کے مطابق کام کرنا تو اطاعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ اطاعت کرانے والا امر کرنے والا ہو۔ اور ان مہبودانِ باطل نے کوئی حکم نہیں دیا۔ کوئی امر نہیں کیا تاکہ ان کے حکم کی تعمیل ان کی اطاعت سمجھی جاتی۔ لہذا یہاں اطاعت قطعاً متحقق نہیں ہے اور عبادت قطعاً متحقق ہے تو معلوم ہو گیا کہ عبادت اطاعت نہیں ہے۔ عبادت حکم نہیں ہے تاکہ عباد اور عابدین مطیع اور محکوم کہلاتے۔ غور کرو۔

سوال - انکرین حدیث نے اپنے رسالہ اطاعت رسول میں کہا ہے کہ اطاعت صرف اللہ کی ہے۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟  
 جواب - یہ غلط ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ کی ہے حتیٰ کہ ایمان بھی غیر اللہ یعنی انبیاء اور رسل اور ملائکہ پر لانا فرض ہے لیکن عبادت انبیاء ملائکہ اور رسل کی حرام ہے۔ عبادت صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے اور اطاعت

اللہ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ جس طرح ایمان اللہ کے لئے  
 مخصوص نہیں ہے۔ فرمایا اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ (وَ اِذْ اسْمَعُوا  
 الْمَآثِرَةَ) بھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ اَطِيعُوا اللّٰهَ  
 وَ الرَّسُوْلَ (تلك الرسل، ال عمران) اللہ اور رسول کی اطاعت  
 کرو۔ اطاعت میں اشتراک اور ایمان میں اشتراک واجب ہے  
 عبادت میں اشتراک حرام ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ایمان بھی عبادت سے  
 الگ چیز ہے اور اطاعت بھی عبادت سے الگ چیز ہے۔



# رسالہ طلوعِ اسلامؐ جون ۱۹۵۶ء کے

## باب المراسلات کے جوابات

سوال۔ طلوعِ اسلام! بت ماہ جون ۱۹۵۶ء میں چھپا ہے کہ ہر نبی صاحبِ کتاب تھا یہ صحیح ہے یا غلط؟  
جواب۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ہر نبی صاحبِ کتاب نہیں تھا۔ اگر ہر نبی صاحبِ کتاب ہوتا تو موسیٰؑ و ہارونؑ کو دو کتابیں ملتیں حالانکہ دونوں کو ایک ہی کتاب ملی تھی۔ اور وہ تورات تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ بِالْمُسْتَبِينَ**۔ (دعائی القنفط) ہم نے ان دونوں کو (یعنی موسیٰؑ و ہارونؑ کو) روشن کتاب دی۔ اس کے علاوہ فرمایا: **إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهِ الْكَافِرُونَ الَّذِينَ آمَنُوا لِلَّذِينَ هَادُوا** (لا يجب إلهة - المائة) ہم نے قریت

اناری اس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اسی تورات سے متعدد انبیاء (جو اپنے رب کے مبعوث تھے) یہودیوں کو حکم دیا کرتے تھے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ متعدد انبیاء ایک ہی کتاب کے مطابق بھیجے گیا کرتے تھے اور احکام نافذ کرتے تھے۔ اب اگر ہر نبی صاحب کتاب ہوتا تو یہ متعدد انبیاء یہود کو اپنی اپنی کتاب کے ذریعہ سے حکم دیتے۔ حالانکہ یہ انبیاء تورات کے مطابق حکم دیتے تھے۔ جو ان انبیاء پر قطعاً نازل ہی نہیں ہوئی تھی آپ لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اس بحث کا مقصد کیا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تورات کے علاوہ حضرت موسیٰ پر وحی ہوئی۔ انجیل کے علاوہ حضرت عیسیٰ پر وحی ہوئی۔ قرآن مجید کے علاوہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ہوئی۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبُحُوا بَقَرَةً (الہود - البقرۃ) اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔ اس آیت سے لے کر فَقُلْنَا اضْرِبُوهَا بِبَعْضِهَا تک پانچ قول اللہ کے ہیں۔ اگر یہ اقوال الہی توریت میں مذکور ہوتے تو سوال و جواب کی نسبت ذاتی۔

توریت میں قوم دیکھ لیتی اور گھڑی گھڑی سوال و جواب نہ کرتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ” قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ (واذا سمعوا المائدة)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تم پر خوان نازل کروں گا۔ پھر اس کے بعد تم میں سے جس نے کفر کیا اس کو ایسی سخت سزا دوں گا کہ تمام عالم میں سے کسی کو اتنی سخت سزا نہیں دی ہوگی۔

اب اگر انجیل میں یہ اللہ کا قول ہوتا تو حواری یہ نہ

کہتے کہ کیا تیرا رب آسمان سے ہم پر خوان اتار سکتا ہے۔

هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ

السَّمَاءِ (واذا سمعوا المائدة) اور حضرت عیسیٰ یہ نہ فرماتے

کہ اللہ سے ڈرو۔ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ (واذا سمعوا المائدة) بالکل

اسی طرح ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا

اور اس کے علاوہ وحی نازل ہوئی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

جب تک مکہ شریف میں تشریف رکھتے تھے۔ اس وقت تک

کعبہ کی طرف سجدہ کرتے رہے۔ حالانکہ اس زمانے کے مشلق

قرآن میں کہیں نہیں ہے کہ کعبہ کی طرف سجدہ کرو۔ غلیٰ ہذا

قرآن کی تزیلی ترتیب کی تبدیلی اور تعدد ازواج بغیر وحی محال ہے۔ تفصیلات گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہیں۔ سوال۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہر نبی صاحب کتاب نہیں ہے تو پھر اس آیت کی کیا توجیہ ہے۔ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ (سینقول۔ البقرة) اللہ نے انبیاء کو خوشخبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لئے بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی۔

جواب۔ پوری آیت یہ ہے کہ۔ "كَانَ النَّاسُ أُمَّتَةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ" دنیا میں لوگوں کی ایک ہی جماعت تھی یعنی دواگرہ نہ تھے۔ پھر اللہ نے انبیاء ڈرانے اور خوشخبری دینے کو بھیجے۔ اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی۔ یہاں لفظ کتاب کا ہے۔ کتابوں کا نہیں ہے۔ "اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی" کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کتاب نازل کی۔ یعنی مَعَهُمُ کے معنی مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ نہیں ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہ وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَ جَعَلْنَا فِيهِمُ الْبِرَّ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنَاهُمْ



مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَ فَضَّلْنَا هُمَ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا  
 أَفْضِيْلًا: (سبحان الذی - بنی اسرائیل) ہم نے بنی آدم کو  
 عزت دی اور ان کو خشکی و تری میں سواری دی اور ان کو پاکیزہ  
 روزی دی اور ان کو اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی۔

”ان کو خشکی اور تری میں سواری دی“ کے یہ معنی ہرگز نہیں  
 ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو سواری دی۔ اسی طرح پاکیزہ روزی  
 ان میں سے ہر ایک کو نہیں دی گئی۔ نیز ان میں سے ہر ایک کو  
 اکثر مخلوق پر فضیلت نہیں دی گئی۔ کیوں کہ ان میں سے کافر کے  
 لئے فرمایا۔ اَذَلَّلْنَاكَ مُمْسِرًا الْبَرِّيَّةِ (عہ - البینہ) یہ کافر  
 بدترین خلائق ہیں کسی مخلوق سے افضل نہیں ہیں بالکل اسی  
 طرح ”ان کے ساتھ کتاب نازل کی“ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ  
 ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کتاب نازل کی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا  
 تو جتنے بنی ہوتے اتنی ہی کتابیں ہوتیں۔ اور اوپر ہم بیان  
 کر چکے ہیں کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں کو ایک  
 ہی کتاب ملی تھی۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ان انبیاء میں سے کسی  
 ایک جماعت یا فرد کے ساتھ کتاب نازل کی اور یہ طریقہ تعظیم  
 ہر زبان میں ہوتا ہے۔ مثلاً فوج کے ساتھ توپ جانا بھیج دیا۔

رات کے ساتھ بھیڑا یا۔ فلاں پارٹی کے ساتھ کھانا بھیڑا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر فوجی ہر براتی یا ہر فرد کے ساتھ تو پھانہ یا بھیڑا کھانا بھیڑا یا۔ بالکل اسی طرح انبیاء کے ساتھ کتاب پھینچنے کے یہی معنی ہیں کہ ان میں سے کسی ایک جماعت یا ایک فرد کے ساتھ کتاب بھیج دی۔ اور اس معنی پر لفظ کتاب کا واحد لانا دلالت کر رہا ہے۔ اگر کتاب کی جگہ کتب کا لفظ ہوتا تو ممکن تھا کہ ہر واحد کے ساتھ کتاب ہوتی۔

سوال۔ منکر حدیث نے صفحہ ۵۸ پر لکھا ہے کہ غلام احمد قادیانی نے اس خیال کو پھیلایا تھا کہ نبی بے کتاب کے بھی ہوتا ہے۔

جواب۔ مسلمانوں کا بالاجماع اور بالاتفاق یہ عقیدہ ہے کہ نبی صاحب کتاب بھی ہوتا ہے اور بے کتاب کے بھی۔ اسی عام عقیدے کے پیش نظر قادیانی نے دعویٰ کیا۔ اگر یہ عام عقیدہ نہ ہوتا تو دعویٰ کرتے ہی لوگ اس کی فوراً تکذیب کرتے اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ قادیانی نے اس خیال کی تعمیر نہیں کی۔ بلکہ اس سے قبل تمام مسلمانوں میں یہی عقیدہ تھا۔ یعنی نبی بے کتاب کے بھی آیا کرتا تھا۔

سوال۔ صفحہ ۵۸ پر کہہ رہے۔ جو وحی کتاب کے علاوہ تھی وہ

وحی کتاب کی طرح کیوں نہیں محفوظ رکھی گئی۔  
 جواب۔ محفوظ رکھنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک لکھنا دوسرے  
 مشق کرنا۔ چونکہ وحی غیر کتاب میں اعمال کی تفصیل تھی اس لئے  
 ان کو لکھوایا نہیں بلکہ ان کی مشق کرا دی۔ کیونکہ اعمال کا لکھنا  
 اتنا مقصود نہیں ہے۔ جتنا ان کا کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھو جس طرح  
 مجھے پڑھتا ہوا دیکھو۔ اسے صرف لکھ کر دے جاتے تو نماز کی  
 مشق نہیں ہو سکتی تھی۔ ہر شخص کو روزے نماز اور اکثر ضروری اعمال  
 کی مشق ہو گئی اس لئے وحی غیر کتاب عملاً محفوظ ہے۔ اور اللہ کا  
 وعدہ سچا ہے جو اس نے کہا کہ **إِنَّا نَحْنُ مُنْزِلُونَ**  
**وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ**۔ ہم ہی تھے نصیحت اور ذکر کو نازل کیا  
 اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ تو جس طرح سے قرآن تلاوتاً محفوظ  
 ہے۔ اسی طرح سے وحی غیر کتاب یعنی حدیث عملاً محفوظ ہے۔  
 ہر شخص جانتا ہے کہ صبح کے فرضوں سے قبل دو سنتیں ہیں بزم  
 کے بعد دو ہیں۔ نھر سے پہلے پچھبے چھ سنتیں ہیں۔ عشاء کے  
 بعد دو سنتیں اور تین وتر ہیں۔ سواک سنت ہے۔ یحیرن کا سوال  
 جواب حق ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض کہ وحی غیر کتاب کے

مضامین عملی طور پر اب تک محفوظ ہیں۔ قرآن کے حافظ تو ایک فیصدی بھی نہیں ملیں گے۔ لیکن حدیث کو عملاً محفوظ رکھنے والے حفاظ قرآن سے بہت زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ وحی غیر کتاب کو نہ بکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وحی غیر کتاب انبیاء سابقین میں نہیں بھی جاتی تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے: **وَأَوْحِيَ إِلَيْنَا نُوحٍ آتَاكَ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنِ قَدْ آمَنَ**۔ (دما من دابة۔ ہود) نوح پر یہ وحی ہوئی کہ اب تیری قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ جو لانے تھے وہ لاپچھے یہ وحی غیر کتاب ہے۔ کیونکہ کتاب اصلاح قوم کے لئے ہوتی ہے اور یہ وقت اصلاح کا نہیں۔ مایوسی کا ہے۔ اب کوئی ایمان نہیں لاسکتا اسی صورت میں ایمان اور نیک عمل کے لئے کتاب بھیجا لے سود تھا لہذا یہ وحی غیر کتاب ہے۔ اور اس آیت کے بعد اور بھی وحی ہوئی۔ اور آخر میں کہا کہ **مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا آتَاكَ وَلَا قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا** (دما من دابة۔ ہود) اس سے پہلے نہ تو جانتا تھا ان خبروں کو نہ تیری قوم جانتی تھی۔ اور نبی چونکہ سارے عالم کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اس وقت نبی اور سارا جہاں ان وحیوں سے بے خبر

تھا اور اس سے قبل بھی سب لوگ بے خبر تھے۔ اگر یہ وحی لکھی ہوئی ہوتی تو اس سے قبل کوئی نہ کوئی قوم یا خبر ہوتی۔ اس سے پتہ چل گیا کہ تقدیر انبیاء کا دستور نہ تھا کہ وہ وحی غیر کتاب کو لکھواتے اس کے علاوہ ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وجہ سے لکھوایا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا وحی ہوئی تھی کہ قرآن کو لکھوادو۔ یا انھوں نے اپنی رائے سے لکھوایا؟ بس یہی دو صورتیں ہیں کہ یا وحی سے لکھوایا یا اپنی رائے سے لکھوایا۔ قرآن میں کسی جگہ بھی یہ حکم نہیں ہے کہ قرآن کو لکھو۔ جہاں ہے یہی ہے کہ پڑھو سنو۔ کہیں یہ نہیں ہے کہ لکھو۔ لہذا اگر وحی سے لکھوایا تو یہ وحی وحی ہے جو غیر قرآن ہے۔ قرآن کے لکھوایا کی وحی ہوئی قرآن کو لکھوایا۔ حدیث کے لکھنے کی وحی نہیں ہوئی۔ حدیث کو نہیں لکھوایا۔ اور اگر اپنی رائے اور مرضی سے قرآن کو لکھوایا تو بے شک اپنی رائے اور اپنی مرضی سے حدیث کو نہیں لکھوایا۔ دونوں جگہ رائے کا رفرما ہے۔ (اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں موجود ہے) نیز ممکن ہے کہ قرآن کو اس ویر سے لکھوایا ہو کہ اس کے الفاظ کے ساتھ معجزہ متعلق تھا۔ اور چونکہ وہ دعویٰ دائم ہے لہذا دلیل اور معجزہ بھی دائم ہونا چاہیے۔ حدیث کے الفاظ کے ساتھ معجزہ متعلق نہیں ہے۔ اس وجہ

سے اس کو نہیں لکھوایا۔

سوال ۲ صفحہ ۵۸ پر منکر حدیث نے کہا ہے کہ مَا يَنْطِقُ  
عَنِ الْهَوَىٰ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
بولتے تھے وہ سب وحی ہوتا تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا  
کچھ بولنا وحی تھا اور کچھ بولنا وحی نہیں تھا۔ منکر حدیث نے  
اس آیت سے ثابت کیا ہے۔ قَدْ اِنْ ضَلَلْتُ فَلَيْسَ  
اَوْحِلُ عَلٰی نَفْسِيْ رَانَ اِهْتَدَيْتُ فِيْهَا يُوحٰى اِلٰى رَبيِّ  
(ومن يسنّت۔ سب) ان سے کہہ دو کہ میں اگر غلطی کرتا ہوں تو یہ  
غلطی میری اپنی وجہ سے ہوتی ہے۔ (یا اس کا وبال میرے اوپر  
پڑتا ہے) اور اگر میں سیدھے راستے پر ہوتا ہوں تو یہ اس  
وحی کی بنا پر ہوتا ہے جو میرا رب میری طرف بھیجتا ہے۔  
سوال یہ ہے کہ یہ کہنا کہ نبی کا کچھ نطق وحی ہے اور کچھ وحی  
نہیں ہے اور اس پر اس آیت سے استدلال صحیح ہے یا نہیں؟  
جو ایسا۔ یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ اور یہ ترجمہ بھی غلط ہے  
ترجمہ صحیح یہ ہے:- ”ان سے کہہ دو کہ اگر میں غلطی کروں اور گمراہ  
رہوں تو اس غلطی کرنے اور گمراہ ہونے کی سورت میں اس  
غلطی اور گمراہی کا ضرر میری ہی جان پر پڑے گا۔“ غلطی کرنے

اور گمراہ ہونے کی تقدیر پر یہ کہوایا جا رہا ہے۔ حضور واقعی تو غلطی نہیں کرتے تھے اور گمراہ نہیں ہوتے تھے۔ تقدیر پڑنے کے معنی یہ ہیں کہ فرض کرویں گمراہ ہو جاؤں تو اس صورت میں میری گمراہی کا ضرر میری ہی جان پر پڑے گا۔ یہاں ”اِنْ“ کا لفظ ہے جو تقدیر اور فرض کے لئے ہے۔ تحقیق نہیں ہے۔ یعنی گمراہی مفروض اور فرضی اور تقدیر ہی ہے وہ تحقیق جیسے ”وَ اِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْهُ“ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تو شک میں واقعی ہے۔ بالکل اسی طرح ”اِنْ ضَلَلْتُمْ“ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میں واقعتاً گمراہی میں ہوں بلکہ معنی یہ ہیں کہ بفرض حال اگر میں گمراہی میں ہوں تو اس تقدیر پر میری گمراہی کا وبال میری جان پر پڑے گا۔ لہذا اس آیت کا یہ مطلب لینا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا کوئی حصہ گمراہی کا یہی تھا کفر صریح ہے۔ اور اس کی مثال سورہ مومن میں ”اِنْ يَتَكَذَّبْ بَا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ“ اگر مومن جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا۔ ”وَ اِنْ يَتَّكِفُ صَادِقًا يَصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَبْغُونَ“ اور اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب کا اس نے وعدہ کیا ہے وہ کچھ نہ کچھ تم کو پہنچ کر رہے گا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مصلحتاً معاذ اللہ کچھ جھوٹا ہے اور کچھ سچا ہے۔ بالکل

اسی طرح ”إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي وَرَأَيْتُ  
 آهْتَمَّ يَدِي فِيمَا يُؤْمَرُ بِهَا مِنَ رَبِّي“ ہے۔ جس طرح وہاں  
 تقسیم صدق و کذب میں نہیں ہے اسی طرح یہاں ہدایت و ضلالت  
 میں تقسیم نہیں ہے تو یہ ترجمہ کرنا کہ اگر میں غلطی کرتا ہوں تو یہ غلطی میری  
 اپنی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اور اس سے یہ معنی  
 نکالنے کہ نبی غلطی کرتا ہے تو اپنی طرف سے کرتا ہے اور سید سے  
 رستہ پر چلتا ہے تو وحی سے چلتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کفر ہے  
 جہالت ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے جو کچھ میں کہتا ہوں اگر یہ میری  
 اپنی طرف سے ہے تو اس کا وبال مجھ پر ہے اور اگر یہ میری اپنی  
 طرف سے نہیں ہے (اور قطعاً میری اپنی طرف سے نہیں ہے)  
 تو پھر قطعاً یہ میرے رب کی وحی سے ہے۔

یہ ہے مطلب اس آیت کا نہ یہ کہ کچھ میری اپنی طرف  
 سے ہے اور کچھ وحی سے ہے۔ اب ہم کہتے ہیں۔ بولو کیا کہتے  
 ہو تمہارے کہنے کے مطابق نبی اپنی وجہ سے غلطی کرتا ہے۔ آیا  
 تمہارے نزدیک نبی نے غلطی اپنی طرف سے اپنی وجہ سے کی  
 یا نہیں کی اگر کی تو قطعی اس آیت کی رو سے نبی پر اس غلطی کا  
 وبال ہے اور ایسا کہنا قطعی کفر ہے۔ اور اگر نبی نے اپنی وجہ



سے غلطی نہیں کی تو سارا کا سارا معاملہ تمام اقوال و افعال نبی کے بالوجہ ہیں اور یہی ہم کو ثابت کرنا ہے۔ اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ سورۃ النجم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "مَّا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ" ہمارا سردار نہ گمراہ ہے نہ کج راہ ہے۔ اب اس آیت یعنی اِنْ ضَلَلْتُ بِمَا ضَلَّتُ کے کیا معنی ہوئے جبکہ صاف ظہر پر قرآن نے کہہ دیا کہ ہمارا سردار ضال نہیں ہے پھر نبی اپنی وجہ سے یا اپنی طرف سے کون سی ضلالت کرتا ہے۔ لہذا اگر نبی ضلالت کرے گا تو تمام نظام شریعت باطل ہو جائے گا۔ اور مسلمان کے منہ سے نعوذ باللہ یہ کلمہ کیونکر نکل سکتا ہے کہ نبی ضلالت کرتا ہے۔ نبی کے متعلق فرمایا: عَلَيَّ صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ۔ جسے رستے پر ہے۔

بس مطلب یہ ہے جو کچھ جی میں کہتا ہوں اگر یہ میری اپنی طرف سے ہے تو قطعاً اس کا وبال میری جان پر ہے۔ یعنی وبال مسلط ہے میری اپنی طرف سے کہنے پر۔ اس کو ایسی مثال ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر زید پتھر ہوگا تو وہ بے جان ہوگا اور زید کا پتھر ہونا محال ہے۔ اس شرط محال پر جزا مرتب ہے۔ اسی طرح یہ بات ہے کہ اگر میں غلطی کرتا ہوں یعنی میرا غلطی

کرنا محال ہے۔ کیونکہ یہ محال و وبال جان ہے اور میرے اوپر کوئی وبال نہیں ہے۔ لہذا میرا غلطی کرنا محال ہے۔ ایسی غلطی وہ لوگ کیا کرتے ہیں جو ابتدائی قوانینِ علم سے بھی بے خبر ہوتے ہیں۔ لہذا آیت شریفہ کے یہ معنی ہوئے جو کچھ بھی میں کہتا ہوں اگر یہ میری اپنی طرف سے ہے اور میں نے غلط طریقے پر اس کو خدا کی طرف منسوب کیا ہے تو بے شک اس کا وبال میری جان پر ہے۔ اور اگر جو کچھ میں کہتا ہوں میری اپنی طرف سے نہیں ہے تو یہ قطعاً اللہ کی وحی سے ہے۔ غور کرو۔

سوال (صفحہ ۵۹) اسی مقام پر منکر حدیث نے کہا ہے کہ اس حقیقت کی تشریح میں قرآن میں کئی واقعات ایسے مذکور ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضور سے کہا ہے کہ آپ نے ایسا کیوں کہا۔ مثلاً سورہ توبہ میں ہے: "عَفَا اللَّهُ عَنْكَ" اللہ تجھے معاف کرے۔ تو نے انھیں کیوں اجازت دی۔

اب سوال یہ ہے کہ حضور کی جب ہر بات وحی سے تھی تو پھر یہ تادیب کیسی؟ یعنی پہلے خود ہی وحی کی اور پھر پوچھا ایسا کیوں کیا؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت حق ہے جو چاہے کہے اور جو چاہے

کرے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تثلیث کی تبلیغ نہیں کی اور پھر ان سے پوچھا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دو۔ اللہ کو خوب معلوم تھا۔ کہ انھوں نے یہ بات ہرگز نہیں کہی پھر بھی اللہ نے ان سے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا۔ "إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (ومن یقنت۔ یس) بے شک تو رسولوں میں سے ہے۔ سید سے رستے پر ہے۔ اللہ نے اعلان کیا مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ۔ تمہارا صاحب نہ گمراہ ہے نہ کج راہ ہے۔

ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہو گیا کہ نبی نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ (ختمہ۔ الفتح) تاکہ تیرے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے۔ اللہ کو حتیٰ ہے کہ وہ یہ کہہ دے کہ اس نے تیرے گناہ معاف کر دئے حالانکہ اللہ نے خود اوپر کی دو آیتوں میں نبی کی بے گناہی بیان کر دی۔

اللہ نے فرمایا وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ (قال البلاء۔ الانفال) سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور

اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کے دل تک ایمان کو آنے نہیں دیتا اور پھر خود کہتا ہے۔ اَيْنَ تَذْبُونُ کہاں چلے جاتے ہو۔ كَيْفَ تَكْفُرُونَ کیوں کفر کر رہے ہو۔ خود ہی ان کے دل تک ایمان کو پہنچنے نہیں دیتا اور خود ہی کہتا ہے۔ مَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا ان كَا كِيَا جَانَا جو ایمان لے آتے۔ خود کہتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ۔ اللّٰهُ جو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور پھر کہا ہے ”اِنَّ تَصْرِفُوْنَ“ ”اِنَّ تَوْفِڪُوْنَ“ کہاں پھرے جاتے ہو۔ کہاں بھکے جاتے ہو خود کہتا ہے۔ حَتَّمَا اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ۔ ان کے دلوں پر اللہ نے ہر لگا دی ہے۔ اور پھر خود کہتا ہے۔ مَا لِهِمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ان کو کیا ہو گیا جو ایمان نہیں لاتے۔ خود کہتا ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا اَازًا مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا اَازًا ہم نے ان کے آگے اور پیچھے روک لگادی ہے۔ اور پھر خود کہتا ہے مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يَّزْمِنُوْا۔ لوگوں کو ایمان لانے سے کس نے روکا خود کہا اِنَّا فَتَنَّا قَوْمًا مِنْۢ بَعْدِكَ اِنَّمَا نَعْمَ تِيْرِي قَوْمٌ كُو يِنِي مَوْسَىٰ كِي قَوْمٌ كُو بِلَادِيَا۔ خود کہتا ہے شَحْرًا اَتَّخَذْتُمْ الْعِجْلَ تَمَّ نِي بَحْرًا كُو

معبود بنایا۔ خود کہا فلا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ  
 بخدا وہ مسلمان ہی نہیں شمار کئے جائیں گے جب تک وہ تم کو حکم  
 نہ بنائیں گے۔ یہاں نبی کو حکم بنا دیا۔ خود کہتا ہے لَهَذَا آيَاتٌ  
 لِّهَلْهُوَ تَوَلَّىٰ كِيَوْمَ اجازت دے دی۔

برائین قاہرہ عقلیہ سے ثابت ہو گیا کہ بندہ کے ہر فعل کا  
 خالق خدا ہی ہے اور نص سے بھی وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ۔  
 اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے۔ اس کے باوجود بندہ  
 کو بُرا کہہ رہا ہے کہ تم نے یہ کیوں کیا۔ غرضیکہ بے شمار آیات  
 موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ کے ہر عمل کا خالق  
 خدا ہی ہے اور بے شمار آیات ایسی ہیں جن میں بندہ سے  
 کہتا ہے۔ تو نے یہ کیوں کیا۔ اب اور دیکھئے فرماتا ہے :

مَنْفَرَعٌ لِّكُلِّ اٰیةٍ الْثِقَلَانِ اے جن و انس ہم تم سے  
 سُننے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ اس آیت میں اہل تہانی ڈانٹ  
 ہے۔ آگے کہتا ہے فِیْ اٰیِ الْاٰخِرَةِ رَبِّكُمْ اَتَلَذَّ بِنِ تَمَّ دُوًّا  
 اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ پھر فرمایا  
 یُرْسَلُ عَلَیْكُمْ شَوَاطِیْرٌ مِّنْ نَّارٍ وَمَخَاسِقٌ فَلَا تَنْصَرُونَ  
 تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا اور کوئی تمہارا

مددگار نہیں ہوگا۔ ”فِي آيَةِ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ“ تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ”يَطْوُونَ فُؤُودَ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ“ مجرمین جہنم اور گرم پانی کے درمیان پھرتے پھریں گے۔ پھر کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نعمتیں نہیں ہیں بلکہ یہ عذاب ہیں۔ لیکن ان کو نعمتوں کی فہرست میں بیان کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو حق ہے کہ جو چاہے سو کہے اور جو چاہے سو کرے۔ اس کے فعل سے سوال نہیں کیا جاسکتا۔ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ۔ اب ذرا غور کرو کہ جن لوگوں کو اجازت دی تھی اگر وہ اس اذن نبی و اجازت نبی پر عمل نہ کرتے تو یہ سب مجرم ہو جاتے۔ اب اگر عمل کر لیا تو نبی کی اطاعت ہو گئی اور نبی کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ تَوْگویا نبی نے ان کو اجازت دے کر اللہ کی اطاعت کرائی۔ اب خود ہی اپنی اطاعت پر وہ کہہ رہا ہے کہ تو نے کیوں میری اطاعت کرائی۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ وہ جو چاہے سو کرے اور جو چاہے کہے۔ کُلُّ كَلْمَانٍ اس کو حق ہے اب یہاں ایک ٹکٹہ

سمجھ لینا چاہیے کہ جب گمراہی کرانے کی اور اضلال کی نسبت اللہ و رسول کی طرف ہو تو اضلال کی نسبت اللہ کی طرف تو کرنے یا ماننے سے ایمان میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔ البتہ رسول کی طرف ایسی نسبت کرنی کفر ہوگی۔

کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اضلال کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور نبی کی طرف کسی جگہ بھی اضلال کی نسبت نہیں کی بلکہ ہدایت کی نسبت کی ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ هَدِيْتِىْ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ بیشک تو سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اَعْلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (وہ یقیناً۔ یس) بے شک تو رسولوں میں سے ہے۔ سیدھے راستے پر ہے۔ خود سیدھے راستے پر ہے دوسروں کو سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ یہ نبی کی شان ہے۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے دکھاتا ہے۔ تو اضلال کی نسبت اللہ کی طرف غلط نہیں ہے۔ اور نبی کی طرف غلط ہے۔ کفر ہے۔

سوال۔ اَمْسِيْتُ عَلَيْكَ زَوْجَكَ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے۔ اگر یہ وحی تھی تو پھر زید نے کیوں نہیں اس

پر عمل کیا ؟

جواب۔ یہ وحی تھی، لیکن صیغہ امر جس طرح واجب کے لئے آتا ہے۔ اسی طرح اور بہت سے معنی کے لئے آتا ہے۔ یہاں واجب کے لئے نہیں ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے  
 وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا۔ جب تم احرام سے باہر ہو جاؤ تو شکار کرو۔ یہ صیغہ امر ہے۔ مگر وجوب شکار کے لئے نہیں ہے  
 "وَمَنْ شَاءَ فَذَيْكُرُوا" یہ صیغہ امر ہے۔ وجوب کے لئے نہیں ہے۔ یعنی جو چاہے کفر کرے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کفر واجب ہے۔ بلکہ تہدید ہے۔ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ جو چاہو کرو۔ یہ سب امر کے صیغے ہیں مگر وجوب کے لئے نہیں ہیں۔ اسی طرح اَمْسِكْ عَلَيَاتِ زَوْجِكَ کا صیغہ امر وجوبی نہیں ہے۔ جو اس پر عمل نہ کرنے سے مخالفتِ رسول لازم آئے۔  
 سوال۔ منکرین حدیث نے اسی صفحہ ۵۹ پر کہا ہے: مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ کے کیا معنی ہیں؟  
 جواب۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا صاحب اپنی خواہش سے نہیں بولتا جو کچھ بولتا ہے۔ یعنی اس کا بولنا صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ



وہ قرآن اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ کیونکہ اِنْ هُوَ اِلَّا وَّحْيٌ  
 میں "هُوَ" کی ضمیر کا مرجع اور لفظاً مذکور نہیں ہے۔ کیونکہ اوپر  
 صرف تین لفظ ہیں۔ نجم، صاحب اور صوٹی۔ اور یہ تینوں وحی  
 نہیں ہیں لہذا ہو کا مرجع معنی "ینطق" میں نطق ہے۔ لہذا  
 آیت اِنْ هُوَ اِلَّا وَّحْيٌ کے معنی ہوئے کہ تمہارے صاحب  
 کا نطق صرف وحی ہی ہے۔ نہیں ہے تمہارے صاحب  
 کا نطق مگر وحی۔ یہاں نطق نبی کو وحی کہا ہے۔ اور قرآن نطق  
 نبی نہیں ہے۔ اور جو کوئی قرآن کو نطق نبی کہے وہ کافر ہے۔ کیونکہ  
 قرآن تو نطق باری تعالیٰ ہے اور اس آیت میں وحی نطق نبی  
 کے لئے ثابت ہے۔ لہذا نطق نبی وحی ہے۔ نبی کے تمام اقوال  
 وحی ہیں۔ اس کے بعد میں کتابوں ذرا آگے چل کر فرمایا۔  
 فَاذْهَبِي إِلَىٰ عَمْبِدَةَ مَا أَوْحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي أَن يَسْأَلَنَّ  
 ذِي الْقُرْبَىٰ مِنْكَ بِأَقْرَبٍ وَلَا يَمَسَّ بِرَأْسِكَ الْبَأْسَ إِلَّا بِمَا  
 كُنْتِ تَعْمَلِينَ۔ آج تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ جو وحی اپنے بندے  
 کو کہتی تھی یعنی "ما اوحی" یہ قرآن کی کونسی آیت ہے۔ اب اگر  
 وحی صرف قرآن ہی ہوگا تو بتاؤ کہ یہ "مَا أَوْحَىٰ" کی وحی قرآن  
 میں کس جگہ ہے کیونکہ "مَا أَوْحَىٰ إِلَيَّ عَمْبِدَةَ مَا أَوْحَىٰ" یہ  
 آیت حکایت ہے اس وحی سے جس کو "مَا أَوْحَىٰ" کے لفظ

سے تعبیر کیا ہے۔ بولو کیا کہتے ہو۔ یہ وحی قرآن میں ہے۔ تو بتاؤ کہ کون سی آیت ہے۔ یا کون سی آیتیں ہیں۔ آج تک کوئی مفسر کوئی عالم یہ نہیں بتا سکا اور نہ بتا سکتا ہے کہ یہ وحی فلاں آیت یا آیتیں ہیں۔ کیونکہ قرآن معین ہے اور یہ وحی مبہم ہے۔ لہذا معلوم ہو گیا یہ وحی قرآن سے باہر ہے۔ اور یہی وحی غیر قرآن ہے۔ ہم پوچھتے ہیں۔ نبی کا قول وحی ہے یا نہیں۔ اگر کہو کہ وحی ہے تو بیشک حق ہے یہی ہماری مراد ہے اگر کہو کہ نہیں ہے تو بولو کیا کہتے ہو جس وقت نبی نے کہا کہ یہ کتاب یا یہ آیات یا یہ سورت مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ آیا یہ قول نبی کا ماننے کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر کہو ماننے کے قابل ہے تو ٹھیک ہے بس یہی معنی نبی کے قول نبی کی حدیث کے حجت ہونے کے ہیں۔ لہذا حدیث نبی حجت ہو گئی اگر کہو کہ یہ قول ماننے کے قابل نہیں ہے تو حدیث کے ساتھ قرآن بھی گیا۔ نہ حدیث رہی نہ قرآن رہا۔ نہ دین نہ اسلام کا فرہونے کے ساتھ ساتھ مجھوں بھی ہو گئے۔ خدا کے ہر سے ڈرو۔ کیوں دین کو تباہ کر رہے ہو۔

سوال ۱۲۵ منکرین حدیث نے صفحہ ۶۰ پر کہا ہے۔ وَإِذَا  
 أَسْرَأَ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَأَتْ بِهَا  
 وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَتْ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ  
 فَلَمَّا نَبَأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَأَنِي الْعَلِيمُ  
 الْحَبِيرُ۔ اور جب نبی نے چپکے سے اپنی کسی بیوی سے ایک  
 حدیث بیان کی۔ پھر اس بیوی نے اس کو کسی اور سے کہہ دیا  
 اور اللہ نے آپ کو اس سے آگاہ کر دیا آپ نے کچھ  
 بات اس بیوی سے کہی اور کچھ سے اعراض کیا۔ پھر جب نبی  
 نے بیوی کو اس بات پر آگاہ کیا۔ تو بیوی بولی آپ کو اس کی  
 کس نے خبر دی۔ آپ نے فرمایا مجھے علیم وخبیر نے خبر دی۔ اس  
 آیت کے دونوں ٹکڑے وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ اور  
 نَبَأَنِي الْعَلِيمُ الْحَبِيرُ۔ اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ  
 قرآن شریف سے علاوہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ہوتی ہے۔  
 سوال : یہ ہے کہ منکر حدیث نے کہا ہے کہ أَظْهَرَهُ اللَّهُ  
 عَلَيْهِ یعنی اللہ نے نبی پر اس کو ظاہر کر دیا اور نَبَأَنِي الْعَلِيمُ  
 الْحَبِيرُ۔ علیم وخبیر نے مجھے آگاہ کر دیا۔ ان دونوں ٹکڑوں  
 میں یعنی اللہ کے ظاہر کرنا، اور علیم وخبیر کے آگاہ کرنے

میں اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ یہ اظہار اور آگاہی وحی کے ذریعہ ہو بلکہ یہ اظہار اور آگاہی ایسی ہے کہ جیسے اللہ نے تم کو کتوں کے سدھانے کی تعلیم دی ہے اور جس طرح تم کو کتوں کو سدھانے کی تعلیم دینا وحی نہیں ہے اسی طرح نبی پر اس واقعہ کا اظہار اور ابنا وحی نہیں ہے۔ اور جس طرح اللہ نے فرمایا وَعَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمَ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ اور جس طرح یہ انسان کی تعلیم وحی نہیں ہے اسی طرح نبی پر اللہ کا اس واقعہ کو ظاہر کرنا اور علیم و خیر کا نبی کو آگاہ کرنا بھی وحی نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ صحیح ہے یا غلط ہے؟

جواب۔ بالکل غلط ہے۔

انسان کو دو چیزیں دی گئی ہیں۔ ایک تو علم کی فعلیت اور ایک علم کی قابلیت۔ فعلیت کے یہ معنی ہیں کہ جس وقت انسان اپنے حواس کو محسوسات کی طرف متوجہ کرے تو فوراً اس کو ان محسوسات کا شعور، ادراک، احساس، علم ہو جائے اس کو بدیہی علم کہتے ہیں۔ دوسری چیز قابلیت ہے۔ استعداد ہے۔ صلاحیت ہے۔ یہ چیز صرف حواس کی توجہ

سے حاصل نہیں ہوتی۔ یعنی جس علم کی قابلیت وہی ہے وہ صرف حواس کی توجہ سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اسی کے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کوشش، اکتساب، غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔ اس علم کو نظری علم کہتے ہیں۔ ہر انسان کی فطرت میں نظری علم کی قابلیت اور بدیہی علم کی فعلیت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔ اور انبیاء کو جو علوم دیئے جاتے ہیں وہ ان دونوں علوم سے ممتاز ہوتے ہیں انہی کو وحی کہا جاتا ہے۔ اس لئے نبی سن حیث النبی کا علم عام انسانوں جیسا نہیں ہوتا۔ نبی کا علم خدا کا کلام خدا کی خبر خدا کا قول سننا ہوتا ہے اور خدا کا بشر سے کلام کرنا ہی وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآيَاتِهِ مَا يَشَاءُ" اللہ تعالیٰ بشر سے جب کلام کرتا ہے۔ تو صرف ان تین طریقوں سے۔ وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا اپنا ایک پیغام بھیجتا ہے۔ وہ اللہ کی اجازت سے اللہ کی منشاء کے مطابق وحی کر دیتا ہے۔ اور یہ تینوں طریقے وحی ہیں۔ پہلی وحی یعنی وَحْيًا ظاہر وحی ہے اور مِنْ وَرَاءِ

بجائے جیسے حضرت موسیٰ سے پس پردہ کلام کیا تھا۔ یہ بھی وحی ہے۔ گَاشْتَمَ لِمَا یُوحِیْ لَہِ موسیٰ جو وحی ہو رہی ہے اس کو سُن۔ تیسرے طریقہ میں بھی یوحی کا لفظ موجود ہے۔ القرض نبی کا علم اللہ کا کلام کرنا ہے اور اللہ کا نبی سے کلام کرنا یہ وحی ہے۔ لہذا نبی کا علم وحی ہے۔ لہذا جب بھی اللہ نبی کو کوئی بات بتایگا وہ وحی ہوگی۔ اور وہ وحی کے ذریعہ ہوگی۔ بدیہی اور نظری علوم کے ذریعہ نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان دونوں کے ذریعہ تو عام انسانوں کو تعلیم کر دی ہے اور اگر نبی کو بھی انہی دونوں ذریعوں سے تعلیم گرتا تو عام انسانوں سے نبی فائق نہ ہوتا نیز نبی اور غیر نبی کا فرق اس طرح بتایا۔ "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحِیْ إِلَیَّ"۔

میں تمہارے جیسا آدمی ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے تو نبی عام انسانوں کے علوم بدیہیہ اور نظریہ سے ممتاز چیز ہوگی لہذا جب بھی اللہ نبی کو خبر دے گا وہ وحی ہوگی۔ جب بھی اللہ نبی پر کوئی شئی ظاہر کرے گا وہ وحی ہوگی۔ جب بھی اللہ نبی کو آگاہ کرے گا وہ وحی ہوگی۔ ورنہ عام انسانوں سے نبی ممتاز نہیں ہوگا۔ اور پھر نبوت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اس کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "تِلْكَ مِنْ

أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا (دعما من دایۃ۔ ہود) یہ غیب کی خبریں ہیں جن سے ہم نے وحی کے ذریعہ تجھے آگاہ کیا اس سے پہلے نہ تو جانتا تھا اور نہ تیری قوم جانتی تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ غیب کی خبریں بغیر وحی کے نہیں معلوم ہو سکتیں۔ اور یہ جو بیوی نے افشاء راز کیا اور نبی نے فوراً ہی بیوی کو آگاہ کیا۔

یہ نبی کا آگاہ کرنا غیب کی خبر ہے اور غیب کی خبر بغیر وحی کے نہیں ہو سکتی۔ لہذا اللہ نے جو ظاہر کیا نبی پر اور عظیم و خیر نے جو آگاہی نبی کو دی یہ وحی تھی۔ دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کا اپنی بیوی کو آگاہ کرنا غیب کی خبر ہے اور غیب کی خبر دینا وحی ہے۔ لہذا نبی کا اپنی بیوی کو آگاہ کرنا وحی ہے۔ دیکھو نبی نے اپنی بیوی سے ایک بات کہی۔ پھر جب اس بیوی نے وہ بات دوسرے سے کہہ دی۔ یہ شرط ہے اور اس کی جزا ہے "عَزَّتْ بَعْضُهُ" یعنی کچھ حصہ بات کا نبی نے بیوی کو بتلایا اور اس شرط و جزا کے بیچ میں "وَأَنْظَرَهُ اللَّهُ" آگیا ہے۔ یعنی اللہ نے نبی پر ظاہر کر دیا یعنی ادھر بیوی نے افشاء راز کیا ادھر نبی نے باظہار الہی بیوی کو بتلایا یعنی بیوی

کے افشاء راز کرتے ہی نبی نے بیوی کو جتلیا۔ اب اللہ کہتا ہے  
 ”كَلِمًا نَبَّأَهَا بِهِ“ جو نبی نے بیوی کو آگاہ کیا بیوی کو  
 سخت تعجب ہوا کہ ابھی راز فاش کرتے کچھ دیر نہیں گذری  
 ان کو کیسے معلوم ہو گیا اور کہا کہ آپ کو کس نے بتایا۔ آپ نے  
 فرمایا: علیم و خیر نے۔ اس آیت کے لگے پھلے ٹکڑے کو ملنے  
 ہی آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ادھر افشاء راز ہوا ادھر باظہار  
 الہی نبی نے بیوی کو جتلیا۔ لہذا بیوی کے افشاء راز کی خبر  
 بیوی کو زینی غیب کی خبر ہے اور غیب کی خبر بغیر وحی نامکن  
 ہے۔ لہذا اظہار الہی وحی ہے۔

سوال (نمبر ۳ کا دوسرا جزو ص ۱۱) علیم و خیر خیر اللہ ہو سکتا ہے؟  
 جیسا کہ منکر حدیث نے کہا ہے۔

جواب۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ واقعہ ایک ہی ہے۔ ایک  
 ہی واقعہ کے لئے ”أَظْهَرَ“ آگیا اور اسی واقعہ کے لئے  
 ”نَبَّأَهَا“ آیا۔ تو آگاہ کرنے والا اور ظاہر کرنے والا ایک ہوا  
 اور ظاہر کرنے والا اللہ ہے۔ تو آگاہ کرنے والا بھی اللہ ہی  
 ہوا۔ اور آیت میں آگاہ کرنے والا علیم و خیر ہے۔ تو معلوم ہو گیا  
 کہ علیم و خیر اللہ ہی ہے۔



سوال۔ منکرینِ حدیث نے جو اپنے رسالہ طلوع اسلام بابت جون ۱۹۷۵ء صفحہ ۶۲ کے شروع میں کہا ہے کہ یاد رکھیے حضرات انبیاء کرام کی طرف جو وحی آتی تھی اس کا تعلق انسانوں کی ہدایت سے ہوتا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ بات صحیح ہے یا غلط؟

جواب۔ غلط ہے۔ دیکھو ”وَ أَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوْحٍ أَنَّهُ نَسَّ يَأْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ“ (دما من داہمہ ص ۱۰۷) نوح کی طرف یہ وحی ہوئی کہ تیری قوم میں سے اب کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ بجز ان کے جو ایمان لائے تھے۔ اب دیکھو یہ وحی ہے اور کوئی تعلق اس وحی کو ہدایت سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس وحی کے وقت تو ہدایت سے مایوسی ہو چکی۔ لہذا یہ کہنا کہ وحی ہدایت کے لئے ہوتی ہے یہ غلط ہے۔ بلکہ وحی کبھی ہدایت سے مایوسی کے لئے بھی ہوتی ہے۔ اور ذرا آگے بڑھو ”وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَ وَحِّينَا“ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے کشتی بنا۔ یہ وحی لوگوں کی ہدایت کے لئے نہیں تھی۔ بلکہ کشتی بنانے کے لئے تھی۔ اور اس وحی کو کتاب کہنا بھی جہالت ہے۔

سوال۔ منکر حدیث نے صفحہ ۶۲ پر کہا ہے۔ چونکہ بیت المقدس

کو قبلہ بنانے کا قرآن میں کہیں حکم نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی غیر قرآن سے بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تھا۔

اس کا تحقیقاتی جواب منکر حدیث نے یہ دیا ہے کہ بیت المقدس کو اس آیت کی رو سے قبلہ بنایا گیا ہے "أَوَلَيْكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبَيْدًا هُمْ أَقْتَدُونَ" ان حضرات انبیاء کو اللہ نے ہدایت کی ہے۔ اے نبی ان کی ہدایت کی اقتدار اور چونکہ بیت المقدس ان حضرات کا قبلہ رہا ہے اس لئے آپ نے حکم اس آیت کے اس کو قبلہ بنایا تھا۔ سوال یہ ہے کہ یہ جواب صحیح ہے یا غلط ہے۔ جواب : یہ جواب بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ آیت اور سورۃ مکی ہے۔ اگر یہ آیت بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا سبب ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں نماز کے وقت بیت المقدس کی طرف رخ کرتے۔ لیکن جب تک حضور مکہ میں رہے کعبہ ہی کو قبلہ بنایا دیکھو "أَدَّأَيْتَ الَّذِينَ يَنْهَى عَبْدًا إِذَا صَلَّى" کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جو بندہ کو یعنی حجہ کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ یعنی ابو جہل

حضور کو جب وہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے دوگنا تھا اس سے صاف ظاہر ہے کہ مکہ میں آنحضرت کعبہ کی طرف رخ کیا کرتے تھے۔ اور آیت ”أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ“ مکی ہے اگر یہ آیت قبلہ بنانے کی موجب بنتی تو مکہ ہی میں بیت المقدس قبلہ بن جاتا لہذا ظاہر ہو گیا کہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے کے لئے مدینہ جا کر کوئی اور سعی ہوئی جس کی رو سے بیت المقدس قبلہ بنایا گیا۔ اردوہ دہی قرآن میں قطعاً مذکور نہیں ہے۔ یہاں آیات اور بات سمجھو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کافی مدت مکہ میں مقیم رہے اور شروع ہی سے کعبہ کو قبلہ بنایا۔ تاؤ کہ کعبہ کو قبلہ شروع میں کس سعی سے بنایا تھا۔ قرآن سے یا وحی غیر قرآن سے۔ قرآن میں تو شروع میں قبلہ بنانے کا کوئی حکم ہے نہیں۔ لہذا وحی غیر قرآن سے بنایا تھا۔ یاد رکھو کہ شروع میں وحی غیر قرآن سے قبلہ بنا پھر وحی غیر قرآن سے بیت المقدس قبلہ بنا۔ پھر تیسری مرتبہ قرآن سے کعبہ قبلہ بنا۔ لہذا منکر حدیث کا جواب بالکل غلط اور غیر تحقیقی ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کو غور سے سمجھ لو کہ آیت ”أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ“ میں جو نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کی ہدایت کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے وہ شرائع میں نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم تو تمام شرائع کے مانع ہیں۔ اقتدا ایمانیات اور اخلاقیات میں ہے۔

سوال ۱۵ سنکریں حدیث نے صفحہ ۶۲ پر کہا ہے۔ سورہ حشر میں ہے کہ تم نے جو درخت کاٹ دے وہ باذن الہی کاٹے اور قرآن میں یہ اذن نہیں ہے۔ قرآن سے علیحدہ یہ اذن ہوا تھا۔ اور یہی وحی غیر قرآن ہے۔ اس کا جواب سنکریں

حدیث نے یہ دیا ہے کہ اذن ہداوندی قرآن میں موجود ہے اور وہ یہ ہے " اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ يَأْتَهُمْ ظُلْمًا " جن لوگوں پر ظلم کیا گیا ہے انھیں جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ جواب صحیح ہے یا غلط ہے؟

جواب ہے۔ یہ جواب بالکل غلط ہے، کیونکہ آیت سے صرف لڑائی کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ کھیتی اور ہرے بھرے باغوں کے کاٹنے کی اجازت ثابت نہیں ہوتی۔ اور اگر درختوں کے کاٹنے کی بھی اجازت اس آیت سے ثابت ہوتی تو تمام درخت کاٹ دئے جاتے حالانکہ ایسا نہیں ہوا کچھ کاٹنے کے لئے کچھ چھوڑے گئے۔ نیز کھیتی کے برباد کرنے کی

اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے۔ "وَيَهْلِكُ الْخَرُوتُ" کھیتی کروہ ہلاک کرتا ہے۔ یہ کھیتی کے برباد کرنے کی مذمت ہے۔ اب اگر درخت برباد کئے جائیں گے تو جدید وحی سے ہی کئے جائیں گے لڑائی کی اجازت درختوں کے کاٹنے کی اجازت ہرگز نہیں بن سکتی۔

سوال (۳) کا تیسرا جزو صلا (منکرین حدیث نے بالآخر اسی رسالہ میں اس بات کو تسلیم کر لیا کہ حضور پر قرآن کے علاوہ ایسی وحی ہوتی تھی جس کا تعلق حضور کی ذات سے ہوتا تھا۔ ہدایت سے نہیں ہوتا تھا۔ اور یہ وحی ایسی ہوتی تھی جیسے نخل (شہد کی مکھی) کی طرف ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ صیح ہے کہ حضور پر وحی قرآن کے علاوہ جو ہوتی تھی وہ نخل شہد کی مکھی کے ہوتی تھی۔

جواب۔ یہ بات غلط ہے کہ حضور پر نخل شہد کی مکھی کے وحی ہوتی تھی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآيَاتِهِ مَا يَشَاءُ" اللہ بشر نے صرف ان تین ہی طریقوں سے کلام کرتا ہے (۱) وحی سے۔ "وحی سے"

لہ اس عباد کے لئے دیکھو طلوع اسلام اب جن شہد ملے

کے یہ معنی ہیں کہ نبی کے دل میں معنی ڈال دیتا ہے اور نبی اپنے الفاظ میں ان معنی کو ادا کر دیتا ہے۔ (۲۱) وحی پس پردہ سے یہ اس طرح ہوتی ہے کہ الفاظ نبی کو سنائی دیتے ہیں اور اللہ دکھائی نہیں دیتا۔ (۳) ”يُرْسِلُ رُسُلًا“ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا فرشتہ اللہ کا پیغام لے کر آتا ہے اور وہ نبی کے سامنے پڑھتا ہے۔ اس کے پڑھنے کے بعد پھر نبی پر وحی ہوتی ہے جو ”إِلَّا وَحْيًا“ میں وحی ہے۔ اس وحی کے ذریعہ اس فرشتہ کی وحی کی تفسیر اور تشریح کی جاتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے ”فَإِذَا قَرَأْتَهَا فَاتَّبِعْ قَوْلَ اللَّهِ“ جب ہم اس کی قرأت کریں تو اس کی اتباع کریں سننا رہ ”تُحَدِّثُكَ عَلَيْنَا بَيِّنَاتٍ“ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان کرنا اور واضح کرنا۔ یہ بیان قرآن منجانب اللہ ہے۔ اور یہ بیان قرآن قرآن نہیں ہے کیونکہ اگر یہ بیان قرآن ہو گا تو پھر اس قرآن کے نئے بیان ہو گا۔ اور اسی طرح سلسلہ امتنا ہی جائیگا اور تسلسل محال ہے۔ لہذا یہ بیان قرآن غیر قرآن ہے۔ جس کو اللہ فرماتا ہے کہ ہمارے ذمہ ہے۔ یعنی ہم بعد میں وحی غیر قرآن سے قرآن کو بیان کر دیں گے اور سمجھا دیں گے۔ گزشتہ

صفحات میں اس کی تفصیل لکھی جا چکی ہے۔ لہذا انبیاء کو صرف انہی تین طریقوں سے وحی ہوتی ہے۔ شہد کی مکھی کی طرح نہیں ہوتی۔ کیونکہ شہد کی مکھی کی فطرت ایسی کر دی ہے جس سے وہ تمام امور کو انجام دیتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کو باشعور طور پر وحی ہوتی ہو اور وہ اپنے شعور سے ان چیزوں کو انجام دے۔ کیونکہ وہ ایسی ایسی عجیب و غریب اور محکم اشکال ہندسیہ بناتی ہے کہ بڑے بڑے بڑا ہندس ریاضی دان حیران رہ جاتا ہے۔ اگر اس کا یہ فعل باشعور ہوگا تو وہ انسان سے افضل ہو جائے گی۔ لہذا اس کی وحی باشعور نہیں ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی باشعور ہے۔ لہذا شعور کو کوئی وحی شہد کی مکھی جیسی نہیں ہو سکتی۔ اب تم اس مثال سے سمجھ لو "قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تَلْقَائِهِ لَنْفُسِي إِنْ أَتَيْتُهُ إِلَّا مَا يَوْحِيَ إِلَيَّ" کہہ دے مجھ سے کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں تبدیلی کر دوں میں تو صرف وحی کا ناچ ہوں جو میری طرف ہوتی ہے، اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئی تھیں اور پہلے نازل ہوئی تھیں ان کو قرآن میں دیکھئے اور

آخر میں اور بعد میں لکھوایا اور جو مدینہ میں بعد میں نازل ہوئی تھیں جیسے سورہ بقرہ وغیرہ ان کو اول میں لکھوایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے تبدیلی نہیں کر سکتے وہ تو صرف وحی کے تابع ہیں اور وحی قرآن میں کہیں تبدیل کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اس سے صاف واضح ہو گیا یہ دعویٰ کہ جس وحی کے ذریعہ ان سورتوں کی تقدیم تاخیر ہوئی ہے یہ قطعاً قرآن سے ملحدہ ہوئی اور چونکہ یہ قرآن جو ہمیں پہنچا ہے۔ اس میں قطعاً تقدیم و تاخیر ہے اور یہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اس سے پتہ چل گیا کہ وحی غیر قرآنی بھی ہدایت کے سنے ہے۔ ہم گذشتہ صفحات میں اس کی کافی تشریح کر چکے ہیں۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ جو دو فرض صبح کو مسلمان پڑھتے ہیں اور چار ظہر کے وقت اور چار عصر کے وقت اور تین مغرب کے وقت اور چار عشاء کے وقت یہ تعداد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی ہے۔ یا انہوں نے مقرر نہیں کی۔ اگر کوئی کہے کہ انہوں نے مقرر نہیں کی تو وہ کافر ہی نہیں مجنون بھی ہے۔ اور اگر کہے کہ نبی نے مقرر کی ہے تو بولو نبی نے اپنی رائے سے مقرر کی ہے یا وحی سے مقرر کی ہے۔ اگر کوئی اپنی رائے سے تعداد مقرر کی ہے



تو ساری دنیا کا مسلمان ہر دماد کا مسلمان یہ جانتا ہے کہ نبی نے  
 قوم سے یہ کہا کہ نماز اللہ نے فرض کی ہے تو اس صورت میں  
 نَبِيٌّ دَلُوْا تَقْوَالَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَلْقَاوِيْلِ لَا اَخْذًا نَامِنَهُ  
 بِالْيَمِيْنِ نَحَرَ لَقَطْعَنَا مِنْهُ الْوَتِيْنِ (تَبْرَكَ الَّذِي - الحافقہ)  
 کی وعید میں آجائے گا تو سارے عالم کے مسلمان متفق ہیں کہ نبی نے  
 اللہ کی طرف کوئی بات ایسی منسوب نہیں کی جو اللہ نے اس  
 سے نہ کہی ہو اور اگر وحی سے یہ تعداد مقرر کی ہے تو یہی وہ وحی  
 ہے جس کو ہم نے ثابت کیا۔ یہی وحی غیر قرآن احادیث ہیں  
 حاصل یہ ہے کہ نبی بنیرو وحی کے نمازوں کی تعداد مقرر نہیں  
 کر سکتا تھا۔ اور یہ تعداد قرآن میں مذکور نہیں ہے تو لایہ قرآن  
 کے علاوہ وحی ہوئی اور اس وحی سے یہ تعداد مقرر ہوئی۔  
 سوال ۶۱۰ منکر حدیث نے ص ۶۳ پر کہا ہے کہ کتاب اور  
 حکمت ایک ہی چیز ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا غلط ہے ؟  
 جواب - یہ بات غلط ہے۔ کتاب اور حکمت ایک چیز  
 نہیں ہے۔ اس لئے کہ کتاب یقینی اور قطعی طور پر صرف نبی  
 ہی کو ملی۔ یعنی جس انسان کو اللہ نے کتاب دی وہ یقیناً نبی  
 ہے اور جس انسان کو حکمت دی ضروری نہیں ہے کہ قطعاً

نبی ہو کیونکہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ لقمان کی نبوت  
مقطوع نہیں ہے یعنی لقمان کی نبوت قطعی اور یقینی نہیں  
ہے۔ حکمت لقمان مقطوع ہے اور قطعی ہے۔ وَكَفَدْنَا  
لِقَمْنَانَ الْحِكْمَةَ ” ہم نے لقمان کو حکمت دی اس دلیل  
کا حاصل یہ ہے کہ اگر کتاب اور حکمت ایک ہی چیز ہوگی تو جس  
کو حکمت ملی قطعاً اس کو کتاب ملی اور جس کو کتاب  
ملی قطعاً وہ نبی اور رسول ہے۔ اور لقمان کو حکمت ملی تو گویا کتاب  
ملی اور جس کو کتاب ملی وہ قطعاً نبی ہے تو لقمان قطعاً نبی ہونے  
چاہئیں حالانکہ قوم کا اجماع ہے کہ وہ نبی مقطوع نہیں ہے  
اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ کتاب ہدایت ہے ذرے اور خیر  
محض یعنی خیر ہی خیر ہے۔ لہذا کتاب اللہ خیر ہی خیر ہے۔ خیر  
محض ہے اور حکمت خیر محض نہیں ہے بلکہ خیر کثیر ہے۔  
”وَمَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا“  
جس کو حکمت ملی اس کو خیر کثیر ملا۔ تو معلوم ہو گیا کہ کتاب خیر  
کثیر ہے اور کتاب خیر محض اور کل کا کل خیر ہے۔ اور خیر محض  
خیر کثیر یا غیر ہے۔ لہذا کتاب و حکمت میں عینیت نہیں ہے۔  
(سوال ۵ کا دو سراجز) شکر حدیث نے ص ۶۴ پر کہا ہے کہ

۱۴۳

ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ“ یہ جو کچھ  
 اوپر قرآن بیان کیا گیا ہے یہ حکمت ہے۔۔ اس آیت سے  
 کتاب اور حکمت کی عینیت ثابت کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا  
 اس آیت سے عینیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب - نہیں۔ کیونکہ من ما اوحی میں جو من ہے وہ  
 تبیض کا ہے اور من الحکمة میں من ما اوحی کا بیان ہے  
 اس کے یہ معنی ہوئے کہ یہ حکمت میں سے ہے اور حکمت کا بعض  
 ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ حکمت قرآن کے باہر بھی : وحی غیر  
 قرآنی میں ہے۔ کیونکہ ذَلِكْ مِنَ الْحِكْمَةِ اور چیز ہے اور  
 ذالک الحکمة اور چیز ہے اور نیز اس آیت میں بھی اشارہ  
 وحی غیر قرآنی کی طرف موجود ہے۔ یعنی جو وحی غیر قرآنی تیری  
 طرف تیرے رب نے کی ہے اس کا یہ یعنی وحی قرآنی بعض ہے  
 کیونکہ ذالک کا اشارہ اوپر وحی قرآنی کی طرف ہے۔

سوال - منکر حدیث نے صلت پر کہا ہے کتاب اور حکمت کے  
 ایک ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ وَمَا أَنْزَلْنَا  
 عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ اگ کتاب اور حکمت  
 دو چیزیں ہوتیں تو بجائے بہ کے بہما ہوتا چونکہ واحد کی

۱۴۴

ضمیر لائی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اور حکمت ایک چیز ہے سوال یہ ہے کہ یہ استدلال صحیح ہے یا غلط ہے ؟

جواب۔ غلط ہے بہ کی ضمیر کل واحد منہما کی طرف پھر رہی ہے جس طرح وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَقُّ اَنْ يُرْضُوْهُ مِنْ وَّاحِدٍ کی ضمیر کل واحد منہما کی طرف۔ یعنی اللہ اور رسول میں سے ہر ایک کو غرض رکھیں اب اگر واحد کی ضمیر سے دونوں کے ایک ہونے پر استدلال کیا جائے گا تو اللہ اور رسول ایک جائینگے۔

لِذَا يَعْزِفُكُمْ بِهِ كَمَا مَعْنٰى يَعْزِفُكُمْ بِكُلِّ وَّاحِدٍ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ كَمَا هِيَ۔ اور بالکل اس کی ایسی ہی مثال ہے

اَسْتَجِيبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ فِيْهَا مِنْ وَّاحِدٍ كَمَا هِيَ۔ اور مراد یہ ہے کہ اللہ اور رسول میں سے ہر ایک بلائے کیونکہ اللہ بھی داعی ہے۔ واللہ يَدْعُوْا

الى داس السلام۔



+

کتابت احمد ولی الدین عثمانی

